CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قومی سوانح حیات کا سلسلہ

قاضی نذرالاسلام

بسودھا چکرورتی

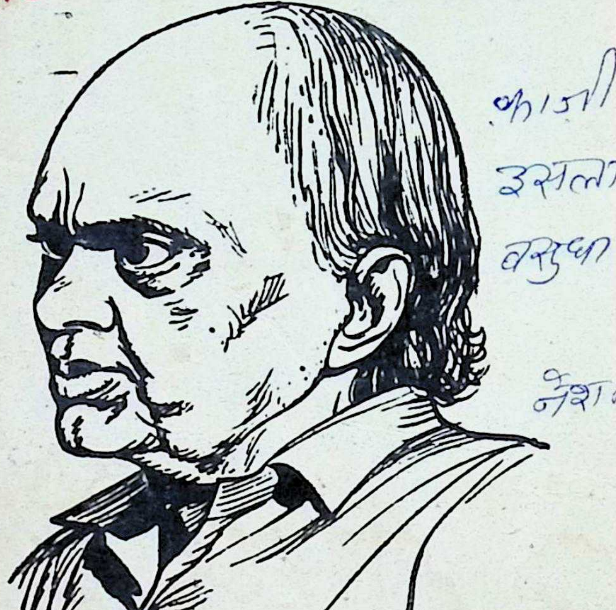

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قاضی نذرُالاسلامُ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بسو دھا چکرورتی اس صدی کے پہلے دہے میں جے منگل نامی گاؤں میں پیدا ہوئے جو اب مشرقی پاکستان میں ہے۔ وہ پریزیڈنسی کالج کلکتہ میں تعلیم پا رہے تھے۔ انھوں نے تعلیم کو خیرباد کہا اور دیہات سُدھار کے کام میں لگ گئے۔ وہ ہندوستان اور اس کے باہر کے رسائل میں برابر لکھتے رہے ہیں۔ ۱۹۴۰ء سے کچھ پہلے وہ ایم۔ این رائے سے ملے اور ان کے جرائد سے وابستہ ہو گئے۔ ان کی مطبوعہ کتابوں میں ایک کتاب بنگالی ادب میں انسان دوستی اور دوسری انشائیوں کا مجموعہ ہے۔ انھوں نے بہت سی بنگالی نظموں اور افسانوں کا انگریزی میں اور انگریزی نظموں اور افسانوں کا ترجمہ کیا ہے۔ اس وقت وہ انگریزی اور بنگالی میں، اپنے عہد کا ایک مطالعہ، لکھنے میں مصروف ہیں۔ اس کتاب میں شری چکرورتی نے بنگال کے باغی شاعر قاضی نذرالاسلام کا تعارف کرانے کی ایک قابلِ قدر کوشش کی ہے۔ شری چکرورتی سچّی لگن اور بڑی سوجھ بوجھ کے ساتھ لکھتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قومی سوانح حیات کا سلسلہ

قاضی نذرُالاسلام

بسودھا چکرورتی

مترجم: عرشؔ ملسیانی

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

نئی دہلی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مارچ ۱۹۶۹ء (چیترا ۱۸۹۱)

© بسودھا چکرورتی ۱۹۶۸ء

قیمت : ۲/۲۵

سکریٹری نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا، نئی دہلی ۱۳ نے
لبرٹی آرٹ پریس دریا گنج دہلی ۶ میں چھپوا کر شایع کیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دیباچہ

اِس ملک میں زمانۂ قدیم سے ہر شعبۂ زندگی میں ممتاز شخصیتیں پیدا ہوئی ہیں۔ ہماری تاریخ ایسے ممتاز حضرات کے ذکر سے بھری پڑی ہے جنہوں نے ادب، آرٹ، سیاست سائنس اور دوسرے میدانوں میں قابلِ ذکر کام کیا ہے۔ کچھ نام تو ایسے ہیں جن کا ہر گھر میں چرچا ہے۔ کچھ نام معروف تو ہیں لیکن عوام کو ان کے حالاتِ زندگی اور کارہائے نمایاں کا کم علم ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے بڑے کارہائے نمایاں کئے ہیں لیکن لوگ ان کے باب میں کچھ نہیں جانتے۔

کسی ملک کی تاریخ زیادہ تر اس کے عظیم مردوں اور عورتوں کی تاریخ ہوتی ہے۔ انھیں نے اس کی تشکیل اور تعمیر کی ہے۔ عام شہری کے لیے ضروری ہے کہ اپنے ملک کے ارتقاء کو جاننے لیے ان ہستیوں کے باب میں کچھ واقفیت حاصل کرے۔

اس مقصد کے لیے کئی ملکوں نے سوانحی لغت شائع کئے ہیں۔ بدنصیبی سے ہمارے ملک میں ایسی کوئی پُر تفصیل کتاب نہیں۔ اس سلسلۂ تصانیف کا یہ مقصد تو نہیں کہ ایسی عالمانہ اور پُر تفصیل کتاب شائع کی جائے بلکہ صرف یہ مقصد ہے کہ عام پڑھنے والوں کے لیے سادہ اور بیانیہ انداز سے عہدِ قدیم سے اپنے ملک کے مشہور مردوں اور عورتوں کے حالاتِ زندگی پیش کئے جائیں۔ مزید مقصد یہ ہے کہ جُدا جُدا کتابوں کے ذریعے سے قومی سوانح حیات کا ایک انسائکلوپیڈیا تیار کیا جائے۔

بنگال کے باغی شاعر قاضی نذرالاسلام عہدِ حاضر کے ایک ممتاز فرد ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہندوستان کی جنگِ آزادی کے زمانے میں قاضی نذرالاسلام نے جو ایک مشہور شاعر اور محبِ وطن ہیں بہت تکلیف اُٹھائی۔ اسی تکلیف اور اذیت سے ایسی شاعری نمودار ہوئی جس نے خود شاعر کو اور ان مقاصد کو جو اسے عزیز تھے بقائے دوام بخشی۔ میں بسودہا چکرورتی صاحب کا ممنون ہوں کہ انھوں نے یہ سوانح عمری بڑی ہمدردی اور سوجھ بوجھ کے ساتھ لکھی۔

میں پروفیسر کے سوامی ناتھن اور شری مہندر۔ وی۔ ڈیسائی کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس سلسلے کی ادارت قبول کی۔

نئی دہلی
۲۱ر مارچ ۱۹۶۸ء

بی۔ وی۔ کیسکر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فہرست

دیباچہ

۱۔ جنم اور ابتدائی زندگی ۹

۲۔ باغی شاعر کی آمد ۱۴

۳۔ میدانِ پیکار میں ۳۲

۴۔ حسن کی جستجو ۳۸

۵۔ زندگی سے ہم آہنگ ۴۵

۶۔ آخری نغمہ ۵۳

۷۔ عوامی شاعر ۵۹

۸۔ شاعر مستقبل کی نظر میں ۶۴

۹۔ چند نظموں کا ترجمہ ۶۹

کتابیات

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

۱

جنم اور ابتدائی زندگی

انیسویں صدی ختم ہو رہی تھی۔ ہندوستان میں سیاسی بیداری کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ چند ہی سال میں بنگال میں تقسیم بنگال کے خلاف تحریک شروع ہوئی۔ برطانوی حکومت نے یہ تقسیم ۱۹۰۵ء میں نافذ کی تھی۔ لیکن تقسیم کی منسوخی کی یہ تحریک از خود قومی آزادی کی تحریک کی صورت اختیار کر گئی۔ بنکم چندر چٹرجی کی کتاب آنند مٹھ اور کچھ تاریخی کتابوں نے جو عوام کی جنگِ آزادی کی روایت کی آئینہ دار تھیں اس کے بیج پہلے ہی بو دئے تھے۔ رُوح کو گرمانے والا بندے ماترم کا گیت لوگوں کے دلوں میں ہل چل مچا چکا تھا۔ سوامی وویکا نند اور ان سے پہلے رام موہن رائے نے عوام کے سامنے ایک ایسے سماج کی تصویر پیش کی تھی جس سے ان کے دلوں میں سرگرمی پیدا ہوئی اور قومی زندگی کا احساس تیز تر ہو گیا۔ یہ اور ہندوستان کی نشاۃ ثانیہ اپنی تکمیل کی انتظار میں تھے جب قاضی نذر الاسلام بنگالی سن ۱۳۰۶ میں جسیٹھ گیارہ مطابق ۲۴ مئی ۱۸۹۹ء کو موجودہ مغربی بنگال کے ضلع بردوان کے گاؤں چرُلیا میں پیدا ہوئے۔

نذرل کے دو اور بھائی اور ایک بہن تھے اور ان چاروں میں یہ دوسرے تھے۔ قاضی کے لقب سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسلم قاضیوں کے خاندان میں پیدا ہوئے جن کے متعلق فرض کیا جا سکتا ہے کہ وہ خوشحال تھے۔ مغل بادشاہوں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نے ان کو ایک جاگیر بھی عطا کی تھی۔ عام یقین یہ ہے کہ یہ خاندان پٹنے سے نقل مکان کرکے ادھر آیا تھا۔ اس کا بھی پورا ثبوت ملتا ہے کہ نذرل کے والد قاضی فقیر محمد مفلس وقلاش ہو گئے تھے۔ نذرل کے والد کا انتقال اس وقت ہوا جب نذرل صرف پندرہ سال کے تھے۔ کنبے کا معاشی بوجھ اٹھانے کے لیے انھیں طرح طرح کی ملازمت اختیار کرنی پڑی۔ انھوں نے گاؤں کے مکتب سے لوئر پرائمری کا امتحان پاس کیا تھا اور وہیں مدرس بھی رہے تھے۔ اس کے بعد وہ بتدریج دیہاتی لوک گیت پارٹی کے لیے گیت لکھتے رہے۔ پھر ایک ریلوے گارڈ کے کوارٹر میں گھریلو ملازم ہوئے اور پھر روٹی کی ایک دوکان پر کام کیا۔ یہ ان کی تقدیر میں نہ تھا کہ وہ اس زمانے میں اسکول میں تعلیم حاصل کریں۔ بچپن میں انھوں نے صرف یہی حاصل کیا کہ وہ قرآن پڑھ سکیں۔ قاضی بذل کریم سے جو رشتے میں ان کے چچا تھے انھوں نے تھوڑی سی فارسی بھی پڑھی لیکن گاؤں کی پارٹیوں کے لیے گانے چھوٹے اور بڑے ڈرامے لکھنے کے لیے وہ مشہور ہو گئے تھے اور انھوں نے ڈھولک بجانا بھی سیکھ لیا تھا۔ جب وہ روٹی کی دوکان پر کام کرتے تھے تو اس علاقے کے ایک پولیس افسر قاضی رفیداللہ کی فن شناس آنکھوں نے انھیں دیکھا۔ یہ صاحب انھیں اپنے ضلع میمن میں لے گئے جو اب مشرقی پاکستان میں ہے۔ انھوں نے ان کو داری رام پور نامی گاؤں کے ایک ہائی اسکول میں داخل کر دیا۔ نذرل نے وہاں زیادہ دیر تک قیام نہیں کیا اور وہ جلد بردوان واپس آ گئے اور متھرن میں نوین چندر انسٹی ٹیوشن میں داخل ہو گئے جہاں مکنڈرنجن ملک جو ایک مشہور شاعر تھے ان کے اساتذہ میں شامل تھے۔ اس کے بعد جلد ہی وہ سرسول راج ہائی اسکول میں آ گئے جہاں ایک مقامی زمیندار کی عنایت سے ان کو مفت تعلیم ملنے لگی۔ مسلم ہوسٹل کے اخراجات بھی معاف تھے۔ اور ان رعایتوں کے علاوہ سات روپے ماہانہ وظیفہ بھی ملتا تھا۔ وہ اپنی جماعت

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں سب سے لائق طالب علم تھے۔ ایک ہی سال میں انھیں آٹھویں سے دسویں جماعت کی ڈبل ترقی ملی۔ اسی اسکول میں وہ نوارن چندر گھٹک کے زیر اثر آگئے۔ وہ انقلابی جگانتر پارٹی سے تعلق رکھتے تھے۔ اور ان کی چچی دکری بالا دیوی پہلی بنگالی عورت تھیں جنہیں قانون اسلحہ کے تحت سزائے قید ملی۔

نذرل پر نوارن چندر گھٹک کا بہت اثر پڑا۔ اسی کے زیر اثر وہ بنگالی ڈبل کمپنی میں بھرتی ہو گئے۔ بعد میں اس کا نام ۴۹ بنگالی رجمنٹ ہو گیا۔ یہ کام انھوں نے حب الوطنی کے جذبے سے کیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ فوجی ٹریننگ کسی دن ملک کو آزاد کرانے کی جنگ میں کام آئے گی۔ یہ رجمنٹ پہلی جنگ عظیم کے زمانے میں قائم ہوئی۔ عوام کا تقاضا تھا کہ بنگال کے نوجوانوں کو فوجی ملازمت کا موقع ملے۔ اس کا صدر مقام کراچی تھا۔ اس جذبے کے سوا نذرل کے لیے اسکول چھوڑنے کی کوئی وجہ نہ تھی جہاں یہ اپنے ہم جماعتوں میں سب سے لائق تھے۔ ذہنی اور سیاسی اثرات کو زندگی کا صحیح راستہ اختیار کرنے میں بڑا دخل تھا۔ اس وقت ان کی عمر مشکل سے اٹھارہ برس کی تھی۔

نذرالاسلام طبع خدا داد کے مالک تھے۔ ان کی پہلی نظم جو انھوں نے کراچی سے بھیجی تھی۔ بنگیہ مسلمان ساہتیہ پتر کا بنگالی سن کے سراون ۱۳۲۵ مطابق جولائی۔ اگست ۱۹۱۹ء کے شمارے میں چھپی تھی۔ یہ رسالہ بنگیہ مسلمان ساہتیہ سمتی کے زیر اہتمام شائع ہوتا تھا جسے مسلمان ادیبوں نے قائم کیا تھا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ بنگیہ ساہتیہ پریشد (بنگالی لٹریری اکادمی) جس کے وہ رکن تھے ان کو نظر انداز کرتا تھا۔ لیکن ایک علیحدہ ادارہ بنانے سے ان کا یہ مقصد نہیں تھا کہ اسے فرقہ وارانہ اقدام سمجھا جائے۔ اس سمتی کے اسسٹنٹ سکریٹری مسٹر مظفر احمد تھے جو ایک بہت بڑے کمیونسٹ لیڈر بن گئے ہیں۔ مسٹر احمد کو رسالے کے تمام

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

انتظامی معاملات کو سرانجام دینے پڑتے تھے انھوں نے اپنی ضخیم بنگالی تصنیف "قاضی نذرالاسلام سوانح"، میں لکھا ہے کہ نذرل کی پہلی مطبوعہ نظم کا عنوان کُشما (معانی) تھا لیکن ایڈیٹر نے اسے تبدیل کر کے مُکتی (نجات) کر دیا۔ اور نذرل نے مظفر احمد کو ایک خط میں اس تبدیلی پر صاد کیا۔ اس نظم کا بنیادی خیال یہ تھا کہ ایک فقیر کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور اُس نے اس زندگی سے حیرت انگیز طریقے سے نجات حاصل کی۔ اس نظم کو دیکھ کر کچھ لوگ یہ اندازہ لگاتے ہیں کہ نذرل بچپن ہی سے روحانیت کی طرف مائل تھے۔ ایک فقیر حاجی پہلوان کی قبر پر جھاڑو دیتے تھے اور شام کو وہاں دِیا جلاتے تھے۔ ان باتوں سے ان کا رُوحانیت کی طرف رجحان طبع ظاہر ہوتا ہے جو بعد میں 'یوگ'، کی طرف رغبت میں تبدیل ہوا اور وہ یوگ آسن کرنے لگے۔ مُکتی کے بعد وہ کہانیاں لکھنے لگے جن میں بَبیا تھا دان (تحفۂ غم) ایک غم انگیز کہانی ہے جس کے کردار سرخ فوج میں بھرتی ہو جاتے ہیں۔ یقین کیا جاتا ہے کہ اس کہانی کی بنیاد یہ حقیقت ہے کہ کچھ ہندوستانی سپاہی اور سیاسی آدمی سرخ فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ لیکن اس کہانی میں حب الوطنی کے جذبے کی بھی فراوانی ہے۔ ۱۹۲۰ء کے آغاز میں نذرل سات دن کی چھٹی پر کلکتے آئے اور اس رسالے کے دفتر میں بھی گئے۔ اس وقت نذرل نے دو اور نظمیں شائع کیں ایک ساؤگات میں جس کا ایڈیٹر مسلمان تھا اور حافظ کے کچھ اشعار کا ترجمہ 'پرداسی'، میں جو بنگالی زبان کا ممتاز ماہ نامہ تھا اور راما نند چٹرجی کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔ اور جس میں رابندر ناتھ ٹیگور کی تازہ نظمیں بھی شائع ہوتی تھیں۔ نذرل نے فارسی سرسول راج ہائی اسکول میں اپنے استاد نورالنبی سے پڑھی تھی۔ اس کے بعد ایک مولوی سے جو اس کی رجمنٹ کے ساتھ تھا۔ اس سے آئندہ زندگی میں فارسی سے بہت سے ترجمے کرنے کی صلاحیت ان میں پیدا ہوئی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مارچ ۱۹۲۰ء میں ۴۹ بنگالی رجمنٹ توڑ دی گئی۔ اور نذرل کلکتہ واپس آ گئے پہلے وہ اپنے بچپن کے دوست سیلا جانند مکرجی کے پاس ٹھہرے جو اس وقت بہت بڑے افسانہ و ناول نگار بن چکے تھے لیکن جلد ہی بنگیہ مسلمان ساہتیہ پتر کا کے دفتر میں پہنچ گئے جہاں مظفر احمد بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ سابق فوجی کی حیثیت سے نذرل کے لیے سرکاری ملازمت حاصل کرنے کے بڑے مواقع تھے۔ انھوں نے سب رجسٹرار کی اسامی کے لیے درخواست دی لیکن انٹرویو کے وقت ان کے دوستوں نے اس موقعے کو کھو دینے کی ترغیب دی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اپنی ادبی صلاحیتوں کی بنار پر انھیں کلکتے سے باہر نہیں جانا چاہیے۔ نذرل نے اس مشورے کو قبول کر لیا اور یہاں سے ان کی قابل رشک ادبی زندگی کا آغاز ہوا۔ اس وقت ان کی عمر اکیس برس کی تھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

۲

باغی شاعر کی آمد

وہ جوالدار قاضی نذرالاسلام کے نام سے موسوم تو ہوئے لیکن جلد ہی ایک پُرتحریر ادیب بن گئے۔ نہایت تیز رفتار سے ان کے قلم کے شہ کار نظموں، گیتوں، بیلے، کہانیوں اور مقالات کی صورت میں منظر عام پر آنے لگے۔ نذرل کی تخلیقات زیادہ تر "مسلم بھارت" میں شائع ہونے لگیں۔ اِسے مسلم ادیبوں نے اپریل ۱۹۲۰ء میں جاری کیا تھا۔ ان کے علاوہ نذرل دوسرے جرائد میں بھی لکھتے تھے۔ مسلم بھارت کے مدیر مسٹر محمد حق تھے جو خود بھی شاعر تھے اور شانتی پور کے رہنے والے تھے جو ضلع نادیا میں ایک غیر معروف قصبہ تھا۔ کام چلاؤ ایڈیٹر ان کے فرزند مسٹر افضل الحق تھے جو پبلشر بھی تھے۔ مسلم بھارت میں نذرل کی پہلی تخلیق شائع ہوئی وہ ایک ناول تھا۔ اس کا نام تھا بادھن ہرا اور وہ خطوط کی صورت میں تھا۔ مسلم بھارت میں پہلے سال نذرل کی کچھ معرکتہ الآرا نظمیں شائع ہوئیں؛ مثلاً شط العرب اسی نام کے دریا کی تعریف میں۔ محرّم، قربانی، فاتحہ دوازدہم۔ بادل پراتیر شراب (برسات کی صبح کے لیے شراب) بادل بری شے (جب بارش ہو رہی تھی) اس کے علاوہ متفرق نظمیں اور گیت۔ کھیّا پار پرشرنی (کشتی) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس میں سادگی اور آہنگ کا عجیب امتزاج ہے ڈھاکہ کی ایک خاتون کی بنائی ہوئی کشتی کی ایک تصویر اس نظم کی خالق ہے۔ دوسرے ماہ نامے جن کے لیے نذرل لکھتے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ساوگات اور ایا سنا ہیں۔ اسی زمانے میں نذرل نے سیاسی صحافت کا پیشہ بھی اختیار کیا۔ یہ کوئی حیرت کا مقام نہیں تھا۔ کیونکہ نذرل نے اسکول کو خیرباد کہا تھا اور فوجی ملازمت کی تھی تاکہ وہ ملک کی خدمت کر سکیں۔

وہ اپنی صلاحیتوں کو سیاسی مصالح کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ حالانکہ وہ بنیادی طور پر ایک شاعر اور ادیب تھے انھوں نے اپنے زمانے کے کئی ادوار میں صحافت کی طرف رُخ کیا۔

۱۹۲۰ء کا سال بڑے دباؤ اور تناؤ کا سال تھا۔ اسی سال میں انھوں نے پہلے پہل اپنا رُخ بدلا۔ جلیاں والا باغ کا قتل عام اور ۱۹۱۹ء میں پنجاب میں زبردست مظالم۔ خلافت کے ٹوٹنے، ترکی کی سلطنت کے ٹکڑے ہونے سے مسلمانوں میں غم و غصہ کا اظہار ۱۹۱۹ء کی مانٹیگو چیمسفورڈ ریفامز سے عام مایوسی ایسے وجوہ تھے کہ ملک نے مہاتما گاندھی کی قیادت میں عدم تعاون کی تحریک شروع کی۔ انڈین نیشنل کانگرس کے ایک خاص اجلاس میں جو کلکتے میں منعقد ہوا اس تحریک پر مہر توثیق ثبت کی گئی۔ اور ملک میں ایک جوش و خراش پیدا ہوگیا۔ اسی پس منظر میں نذرل بنگالی کے روزنامہ اخبار نوئیگ کے ادارے میں شامل ہوگئے اسے مسٹر اے۔ کے فضل الحق نے قائم کیا تھا جو بنیادی طور پر ایک قوم پرست تھے لیکن کبھی کبھی اپنے خراج کی اضطرابی کیفیت سے فرقہ وارانہ سیاست کی رو میں بہ جاتے تھے۔ مسٹر مظفر احمد کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے فضل الحق کو یہ اخبار جاری کرنے کی ترغیب دی اور خود اس کی اشاعت کے تمام انتظامات کیے۔ نذرل اداریہ لکھنے والوں کے سرخیل تھے۔ ان کی تحریریں بعد میں کتابی صورت میں شائع ہوئیں۔ اس مجموعے کا نام ہے: میگ بانی۔ لیکن اس کتاب کو حکومت نے فوراً ضبط کرلیا۔ یہ تحریریں نہ یہ کہ محض وقتی سیاست سے متعلق تھیں بلکہ مزدوروں اور کسانوں کی ابھرتی ہوئی تحریک کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بھی حامی تھیں۔ حکومت نے کئی بار اخبار کو تنبیہہ کی اور آخر کار اس کی ایک ہزار روپے کی ضمانت ضبط کر لی۔ اخبار کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور بالآخر دو ہزار روپے کی ضمانت جمع کرنے کے بعد دوبارہ شائع ہونا شروع ہوا۔ مسٹر فضل الحق اپنے چند سیاسی احباب کے مشورے سے اخبار کے لہجے کو نرم کرنے پر رضامند ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نذرل اس اخبار سے الگ ہو گئے اور ان کے بعد مظفر احمد بھی۔ یہ واقعہ دسمبر ۱۹۲۱ء کا ہے۔ نذرل اس کے بعد سنتھال پرگنہ بہار کے قصبہ دیوگڑھ میں آرام فرما ہو گئے۔

جب نذرل نویگ میں کام کر رہے تھے اور سیاسی اداریے لکھنے میں مصروف تھے انھوں نے متعدد معرکتہ الآرا نظمیں لکھیں۔ ان میں ایک نظم ترکی کے احیائے نو کے معمار کمال پاشا پر تھی۔ یہ دَور بہت سے ملکوں میں نئی بیداری کا دور تھا اور نذرل اس سے بہت متاثر ہوئے۔ اس دور میں ان کے دوستوں کا دائرہ بھی وسیع ہو گیا۔ ان کے معاصر بلکہ ان کے پیشرووں میں اکثر ان سے ملنے کے لئے آتے تھے۔ ان میں سے بعض نے ان سے کچھ اس طرح قطع تعلق کیا کہ جسے بھی یہ معلوم ہوا وہ آزردہ ہوا۔ ان میں سے ایک مرحوم موہت لال موزمدار تھے جو کہ ایک مشہور شاعر اور مقالہ نگار تھے۔ شروع شروع میں مرحوم نذرل کی پہلے پہل کی مطبوعہ نظموں کے بڑے دلدادہ تھے۔ چونکہ یہ عمر میں نذرل سے بہت بڑے تھے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ نذرل کی شاعری پر انھیں کا سایہ ہے لیکن بعد میں ان سے کچھ اس طرح الگ ہوئے کہ مخالفت پر اتر آئے یہاں تک کہ نظم میں ان پر ناخوش گوار حملے کرنے لگے۔ نذرل نے ان باتوں پر زیادہ دھیان نہیں دیا اور وہ اپنے تمام ہم عصروں کے دوست بنے رہے۔ وہ ایک اور بزرگ شاعر ستیندر ناتھ دت کا احترام کرتے تھے۔ ستیندر ناتھ کو شعری موسیقی اور آہنگ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پر بڑی قدرت تھی اور وہ پہلے بنگالی شاعر تھے جنہوں نے سماجی مساوات اور مزدوروں کی تحریک کے حق میں نظمیں لکھیں۔ نذرل نے ذت کی زندگی میں اور ان کے بعد نظموں میں ان کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ اگر نذرل اور کسی ادیب وشاعر میں کوئی غلط فہمی بھی پیدا ہو جاتی، نذرل کے دل میں کوئی نفرت یا دشمنی کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ اپنے ہم عصروں میں بے حد مقبول تھے۔

دیوگڑھ سے واپسی پر نذرل نے تھوڑی مدت کے لیے دوبارہ نونیگ میں کام کیا۔ لیکن پرچے کی پالیسی میں تبدیلی کے باعث اس کی مقبولیت کم ہو گئی، اور حکومت نے بھی منتظمین پر دباؤ ڈالا کہ وہ نذرل کو علیحدہ کر دیں۔ نذرل اس وقت ایسے تجربے کی راہ سے گزر رہے تھے جس سے ان میں ہیجانی کیفیت پیدا ہو گئی۔ شادی کا ایک پیام جسے انھوں نے خوشی سے قبول کیا تھا ایک دھوکا ثابت ہوا۔ یہ ایک گہرا صدمہ تھا لیکن اس سے ان کے ملکۂ شعر گوئی کو جلا ملی اور انھوں نے بہت نظمیں کہیں۔ عدم تعاون کی تحریک جاری تھی۔ نذرل نے مہاتما گاندھی کی تاریخی آمد کا یوں استقبال کیا:-

قید خانے کے صحن میں یہ کون دیوانہ مسافر در آیا ہے
جہاں ماں زنجیروں میں جکڑی پڑی ہے
میرے تیس کروڑ ہم وطن موت کی مخالفت کا گیت گا رہے ہیں
اور اس کے ساتھ چل رہے ہیں
غلام ملک کی غم کی زنجیروں کو توڑنے والا یہ کون آیا ہے
زنجیروں کی دیوی کے سامنے یہ کس نے آزادی کا سنکھ بجایا ہے
غم زدہ اور آزردہ برادرانِ وطن اپنی ماں کی لاش اٹھائے ہوئے ہیں
اور اپنے دلوں کی پکار کے ساتھ اسے موت کے اس پار سے واپس لا رہے ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اب ان سب نے قسم کھائی ہے، "ہم کبھی دشمنوں کے دروازے پر نہیں
جائیں گے
آزادی خود اپنی ذات سے حاصل کی جاتی ہے بھیک مانگ کر نہیں
ابدی سچائی اور فتحمندی کا نقارہ تمام دنیا میں بج رہا ہے
جھوٹ آج خود اپنے زہر سے مر رہا ہے۔ اس کی موت کو دیر نہیں لگے گی
وقت کے پَر تیز ہیں مستقل مزاجی نہ کہ ہچکچاہٹ کے ساتھ آؤ
موت سے ڈرنا کیوں۔ وہ کتنے ہیں جن کو وہ موت نصیب ہوتی ہے
جو بہادر کی موت ہے
شمال اور مغرب سے آتی ہوئی ہوا صُور اسرافیل پھُونک رہی ہے
اس کی آواز میں عالم گیر تخریب کی دُھن نہیں بلکہ وہ بھیرویں سے ملک کو
بیدار کر رہا ہے۔ اپنے پاؤں کے نیچے تمام بندھنوں اور محبت کے جالوں
کو توڑ ڈالو۔ ان کا پاؤں کے نیچے کچل ڈالو اور آگے بڑھو۔
یہ آنسو کیوں۔ یہ وقت ایک نیا دَور لانے کا وقت ہے۔ بگل بجاؤ جھنڈے
کو بلند کرو اور آگے بڑھو۔"

اسی طرح کی اور نظمیں اور گیت بھی تھے۔

مرن برن (موت کو خوش آمدید) ملاحظہ فرمائیے:۔

اے موت! آ! آ
بھیڑوں کی طرح کے بزدل انسانوں کے دلوں سے خوف دُور کر
تمہارے پاؤں ان لوگوں کے دلوں پر خوفناک اور مہیب رقص کی مترنم
جھنکار پیدا کریں جو گلی میں داخل ہونے سے پہلے گلی سے ڈرتے ہیں اور
موت سے پہلے بند کمرے کی تاریکی میں مرجاتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

زندگی کی بنسی دلآویز دیپک راگ میں بجاؤ
یہاں تک کہ مردوں کے رُخ پر آگ جیسی تابندگی متبسم نظر آئے
جہاں کندھوں اور پیٹھ پر زنجیروں اور جُوتوں کے زخم نظر آتے ہیں وہاں نام کے انسان بھی نہیں بستے ۔ زور سے چلاؤ " یہ ایسی جگہوں پر رہنا گناہ کبیرہ ہے "

تمھارے طعن وتعریض مرگھٹ میں مشعل جلائیں ۔ نئے انسان پیدا ہوں اور ملک کا نیا نام ہو ۔
سزا کے ڈنڈے کو ہاتھ میں لے کر غلاموں کے گھروں اور غلاموں کی دنیا کو ہلا دو ۔
اے شعلو لاشوں کو اپنا بستر بناؤ اور اپنی موجودگی کا ثبوت دو
اس زمین کو بیٹھو جہاں مردہ روحیں بھری پڑی ہیں ۔ صرف ایک تم ہی زندہ رہو ۔ سب فنا پذیر چیزوں میں ایک تم ہی لافنا ہو ۔ ہم تیرا استقبال کرتے ہیں ۔ بزرگ دانا نے کہا ہے ۔ زندگی ایک فریب ہے ۔ اس بزدل کے بے جان جسم کا سایہ تک تباہ کر دے ۔ اے آزادی دینے والی موت! تیز شراب کے ساغر کی طرح آ ۔ ان کو لے جا جو اپنی موت سے پہلے مر گئے ہیں ۔ مردوں اور خستہ حالوں کے اس دیس میں تو ہی زندگی ہے اور تو ہی تخلیق ۔
یہی وجہ ہے کہ بے فائدہ زنجیریں تیرے نیر کو آواز دے رہی ہیں جو موت سے نجات بخشتا ہے ۔
ایک اور گیت کی ٹیپ یہ تھی :-
گاندھی قیدی ہو سکتا ہے مگر سچائی نہیں
ہزاروں آدمیوں کا جیل جانا ایک غیر معمولی بات تھی ۔ نذرل نے ان

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جیل جانے والوں کی تعریف اس طرح کی :-

شفق شام کے ہنگام میں یہ کیا سُن رہا ہوں
قیدیوں کی گونجتی ہوئی زنجیروں میں میں آزادی کا شور سُن رہا ہوں
آزادی کی ہنسی ہنسنے والے یہ قیدی کون ہیں ۔
ان کے آزاد دلوں میں خوف کا نام ونشان نہیں

پوُری نظم کا آہنگ ایسا ہے جیسے ملک کی آزادی کی طرف ہم قدم چلنے والوں قیدیوں کے قدموں کی خوش آہنگ چاپ ۔

اس کے بعد جلد ہی نذرل کے متعدد نظموں اور گیتوں نے وقت کے ابھرے ہوئے جذبات کی ترجمانی کی ۔ ان میں سے ایک گیت کا عنوان ہے چرخے کا گیت ۔ پہلے بند سے ہی دُھن پیدا ہوتی ہے :-

"گھوُم
گھوُم ۔ او میرے محبوب چرخے گھوُم
تیرے پہیوں کی آواز میں میں دوُر سوراج کی آمد کا مژدہ سن رہا ہوں
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیرے گھومتے ہوئے پہیوں سے دوُر کہیں سوراج کے شہر کا دروازہ کھل رہا ہے اور اب اس میں مزید تاخیر نہیں ہو گی
ہندوستان کی تقدیر کا سورج نکل آیا اور غم واندوہ کی رات ختم ہوئی

لیکن قومی تصویر محض نظریاتی نہیں تھی ۔ نذرل کو سماجی مکروفریب اور تعصب کا خود اپنی زندگی کے واقعات سے تجربہ ہوا تھا ۔ اس کے نتیجے کے طور پر اس نے بہت سی نظمیں لکھیں جن میں سب سے زیادہ مشہور " ذات پات کی حرام زدگی " ہے

یہ سب ذات پات کے نام پر بدمعاشی ہے ۔ تم ذات پات کے تاجر یہ جو کھیل رہے ہو ۔ تم کہتے ہو کہ اگر میں تمھیں چھوُلوں تو تم نیست ہو جاؤ گے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لیکن ذات بچّے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا نہیں جو کھو جائے گا"
یہ نظم اسی طرح چلتی ہے۔ ذرا سنجیدگی کے ساتھ نذرل نے ایک نظم کہی جس کا عنوان ہے ستیہ منتر یعنی سچائی کا منتر۔

تمہاری کتابوں کے ممنوعات (احکام) جل جائیں۔ صرف خدا کے حکم جاری رہیں۔

اس طویل نظم کا اختتام یوں ہے۔

عیسےٰ، بدھ، کرشن، محمد اور رام سمجھتے تھے کہ انسان کیا اور اس کی قیمت کیا ہے۔ انھوں نے ان کو اپنے دل میں جگہ دی جن سے انسان نفرت کرتے تھے۔ اب گاندھی وہی گیت گا رہا ہے۔ تم انسان کے دشمن ہو۔ تمہاری آنکھوں نے ابھی اس دانائی کو نہیں دیکھا۔

اس خدائے مطلق کے احکام جاری ہونے دو۔

یہ نظمیں اور ان کے ساتھ ایک لمبی مذہبی نظم فاتحہ دواز دہم اور دوسری لمبی نظم 'طوفان'، ایک کتاب دش بنسی (زہر کی بنسی) میں چھپی تھیں۔ اسے حکومت نے ضبط کر لیا تھا۔ نذرل نے اس زمانے میں اپنے محبوب اور نزدیکی ہستیوں کی محبت میں سرشار ہو کر کچھ غزلیں بھی کہی تھیں۔

دیش بندھو چترنجن داس نے اس دوران میں کچھ جرائد شائع کئے جن میں بنگلر کتھا نام کا ایک روزنامہ بھی تھا۔ دیش بندھو کی اہلیہ بسنتی دیوی کے اصرار پر نذرل نے اس اخبار کے لیے ایک لمبی نظم جو گائی بھی جا سکتی تھی۔ بھنگار گان (بربادی کا گیت) کے عنوان سے کہی۔

قید خانے کے لوہے کے دروازے کھول دو۔ خون آلودہ پتھر کی اُس قربان گاہ کو جو بیڑیوں کی پرستش کے لیے بنی ہے۔ مقتل میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تبدیل کردو۔ شمال مشرق کی تند ہواؤں کے نوجوان نقیب !
صُورِ اسرافیل پھونک دو
مشرق کی دیواروں پر انتقام کا جھنڈا لہراؤ
دیوانے سفری ایکٹر (گجن) کا ساز بجاؤ
مالک کون ہے۔ بادشاہ کون ہے ۔ آزاد اور بے زنجیر
سچائی کو کون سزا دیتا ہے ۔ ہا ! ہا ! ہا !
کیا خدا خود اپنے گلے میں پھندا ڈالے گا۔ اس تصور ہی سے ہنسی آتی ہے ۔ وہ کون ہے جو اس طرح کی کمینی اور تباہ کن باتیں سکھاتا ہے ؟
اے بے یار و مددگار شوریدہ سرو قید خانوں کو ناگہانی سیلاب سے ہلادو
ایک نعرۂ مستانہ لگاؤ، وہ نعرہ جو عرب کے حیدر نے لگایا تھا
نقارے کو کندھوں پر اٹھاؤ ، موت کو زندگی بنا دو
تماشا گر ناچ رہا ہے ۔ کیا تم بیٹھے وقت ضائع کروگے
میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم ہولناک قید خانے کی بنیادیں ہلا دو
اسے ٹھوکر مارو اور اس کا تالا توڑ دو۔ تمام قید خانوں کو آگ لگا دو
ان کو گرا دو اور جڑ سے اکھاڑ دو ۔

یہ نظم اپنے ہی نام کی کتاب کی پہلی نظم تھی ۔ جو چھپتے ہی ضبط ہوگئی ۔ لیکن نذرل کا تخلیقی دھارا کبھی بند نہیں ہوا۔ اس کی شاعرانہ زندگی نقطۂ عروج پر ۱۹۲۱ ء کے موسم سرما میں پہنچی جب اس نے اپنی طویل نظم ودردہی (باغی) لکھی اس سے وہ ممتاز شاعروں میں شمار ہونے لگے ۔ ودردہی مسلم بھارت کو اشاعت کے لیے دی گئی تھی۔ لیکن اس کی اشاعت میں کچھ تاخیر ہوگئی ۔ اروند وگھوش کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بھائی ورندر کمار گھوش نے جو مشہور انقلابی تھے اس کی ایک نقل لے کر 'بجلی' میں شائع کردی۔ اس نظم سے غیر معمولی سنسنی پھیل گئی اور نذرل کے کچھ معاصرین پر اس کا الٹا اثر ہوا۔ خاص کر موہت لال موزمدار پر جنھوں نے الزام لگایا کہ نذرل نے ان کے ایک نثر پارے سے یہ خیال چرایا ہے۔ لیکن اثر قبول کرنا کوئی بری بات نہیں نقّادوں کا یہ کہنا ہے کہ خود موہت لال کی بعد کی نظموں پر نذرل کا اثر صاف دکھائی دیتا ہے اس لیے اگر نذرل پر موہت لال کا کوئی اثر تھا تو یہ ایک بے ساختہ اظہار کی بات تھی۔ اس کے باوجود اس زمانے کے ایک ہفتہ وار اخبار "شنی چھٹی" (ہفتے کے دن کا خط) نے اپنا یہ شعار بنالیا تھا کہ نذرل پر ذاتی حملے اور ان کی نظموں پر پیروڈی شائع ہوتی۔ اس کے مدیر سجن کانت داس نے جو خود ایک اچھے شاعر تھے بالآخر نذرل کی دوستی کا دم بھرا۔ اس نکتہ چینی اور حملوں کے باوجود رابندرناتھ ٹیگور اور سرت چندر چٹرجی نے بنگال کے ادبی حلقوں میں نذرل کی آمد پر خوش آمدید کہا۔

ادبی زندگی میں اپنا مقام بنانے کے بعد نذرل نے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا اور سیاسی صحافت کے ساتھ رشتہ قائم کیا۔ اس نے مظفر احمد کو ایک اور روزنامہ قائم کرنے میں مدد کی۔ انھوں نے مولانا ابوالکلام آزاد کے اردو اخبارات الہلال اور البلاغ کے منیجر مسٹر قطب الدین کی مدد حاصل کی لیکن ان کے مشورے پر چلنے میں ناکام رہے کہ ابتدا میں ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا جائے۔ اس کے برعکس انھوں نے ایک روزنامہ جاری کرنے کے لیے ایک کمپنی قائم کی۔ لیکن اس کے بہت تھوڑے حصے بک سکے اور یہ پلان انھیں ترک کرنا پڑا۔

نذرل کی پہلی کتاب ۱۹۲۲ء کے آغاز میں شائع ہوئی۔ یہ نظموں کا مجموعہ نہیں تھا بلکہ کہانیوں کی شکل میں شاعرانہ نثر کا مجموعہ تھا 'بیا تھار دان' (تحفۂ غم) نامی کہانی جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ بنگیہ مسلمان ساہتیہ پتر کا میں شائع ہوئی تھی۔ یہی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نام ان کی پہلی کتاب کا تھا۔ ریکتر بیدنار (مظلوموں کا دکھ درد) بھی کہانیوں کا ایک مجموعہ تھا جو بعد میں شائع ہوا۔ اس وقت نذرل کا قیام موجودہ مشرقی پاکستان کے مقام کومیلا میں دیر تک رہا۔ یہاں انھوں نے اور نظموں کے علاوہ نظم 'پرلایا لاش' (ایک سیلاب کی آمد) تحریک عدم تعاون کے جوش وخروش سے متعلق لکھی لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ روسی انقلاب سے متعلق ہے۔ کومیلا سے نذرل کو بنگالی روزنامہ سیوک میں لکھنے کے لیے واپس بلایا گیا۔ اس اخبار کو مولانا محمد اکرم خاں چلاتے تھے جو ایک ادیب بھی تھے اور کانگرسی بھی۔ مگر بعد میں مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تھے جس وقت نذرل سیوک کے لیے لکھ رہے تھے انھوں نے ایک ہفتہ وار اخبار دھوم کیتو (دمدار ستارہ) قائم کیا۔ اس کا پہلا شمارہ ۱۲ راگست ۱۹۲۲ء کو شائع ہوا۔ پہلے شمارے میں رابندرناتھ ٹیگور کی آشیرواد شائع ہوئی تھی۔

تیزی سے آؤ۔ آؤ۔ آؤ۔ تاریکی پر آگ کا پُل بناؤ۔ ان منحوس دنوں کے مینار پر اپنی فتحمندی کا جھنڈا لہراؤ۔ گھپ اندھیری رات کے ماتھے پر بدبختی کا ٹیکا لگاؤ۔ اپنے بہادرانہ عزم سے نیم بے ہوش لوگوں کو خواب سے بیدار کرو۔

سرت چندر چٹرجی نے بھی ایک پیغام بھیجا جس میں انھوں نے نذرل کو حق گوئی کی ہدایت کی خواہ وہ کسی دوست یا دشمن کے خلاف ہو۔ اخبار کے انقلاب پسندانہ رجحان نے تعلیم یافتہ درمیانے طبقے کو بہت متاثر کیا۔ نذرل تحریک عدم تعاون کی تعریف میں رطب اللسان تو تھے لیکن وہ عدم تشدد کے کبھی قائل نہ تھے۔ ان کا باغیانہ مزاج تشدد اور عدم تشدد کے سوالات کے صحیح جواب سے واقف تھا۔ تحریک انقلاب اس وقت معطل تھی تاکہ عدم تعاون کی تحریک کو ایک موقع دیا جائے اور دھوم کیتو انقلابی رجحانات کو تقویت دینے اور زندہ رکھنے میں مدد دیتا تھا۔ اس لیے انقلاب پسند

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اسے خوش آمدید کہتے تھے اور اس سے تعلق خاص رکھتے تھے۔ دھوم کیتو اس نقطۂ نظر سے نذرالسلام کی ادبی اور سیاسی زندگی کی معراج تھا۔ برطانوی حکومت سے کامل آزادی اس کا عقیدہ تھا۔ اس لیے جلد ہی حکومت کی طرف سے اُسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

نذرل نے ایک نظم "آنندمئی آگمن" (مسرت کی دیوی کی آمد پر) اپنے اخبار کے ایک شمارے میں شائع کی۔ اس کی بناء پر یہ گرفتار کر لیے گئے۔ "مسرت کی دیوی، درگا کا ہی ایک مقبول نام ہے جس کی پرستش بنگالی ہندوؤں کا سب سے بڑا تیوہار ہے۔ نظم میں دیوی سے یہ درخواست کی گئی تھی کہ وہ اپنے پوجنے والوں کے دلوں سے مکر و فریب اور بزدلی کو مٹا دے۔ اور ایک طوفانی اور دیوانہ رقص کرتی ہوئی اُترے۔ اپنے فرزندوں کا خون مانگے تاکہ سراج الدولہ، ٹیپو سلطان، میر قاسم، اور رانی جھانسی کے مقاصد پورے ہوں۔ نذرل پر سڈیشن کا مقدمہ چلا، فرد جرم میں ایک مضمون نگار لڑکی کے مضمون کا بھی ذکر تھا۔ انھیں ایک سال قید سخت کی سزا دی گئی۔ یہ بات ماہ جنوری ۱۹۲۳ء کی ہے۔ نذرل نے اس وقت اپنی صفائی میں نہایت متین اور پُروقار انداز سے ایک کتابچہ "راج بندر زبان بندی" کے نام سے شائع کیا۔ رابندر ناتھ نے اس وقت اپنا ایک رقص ڈراما نذرل کے نام سے معنون کیا جس کا نام تھا بسنت اور جو کلکتے میں سٹیج بھی کیا گیا۔ ایک سیاسی قیدی کی حیثیت سے نذرل جیل میں خاص مراعات کے حق دار تھے مگر حکومت نے انھیں ہگلی ڈسٹرکٹ جیل میں تبدیل کر دیا اور ان سے عام قیدیوں جیسا سلوک ہونے لگا۔ نذرل نے احتجاج کے طور پر بھوک ہڑتال کر دی جس سے عوام میں بہت گھبراہٹ اور ہل چل پیدا ہو گئی۔ بھوک ہڑتال ترک کر دینے کی درخواستوں میں ٹیگور کا ایک تار بھی شامل تھا جو انھیں نہیں دیا گیا۔ نذرل نے بالآخر اپنے ہم وطنوں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کی بات مان لی اور حکومت نے بھی مناسب سمجھا کہ انھیں سپیشل کلاس قیدی کی مراعات دے دی جائیں۔ انھیں ڈسٹرکٹ جیل برہام پور میں تبدیل کر دیا گیا۔ قید کی میعاد ختم ہونے پر انھیں ۱۵ دسمبر ۱۹۲۳ء کو رہا کر دیا گیا۔

نذرل کی نظموں کا پہلا مجموعہ اگنی دنیا اکتوبر ۱۹۲۲ء میں شائع ہوا تھا۔ نوُیگ میں اداریوں کا ایک مجموعہ یگ بانی کے نام سے اسی زمانے میں شائع ہوا تھا لیکن جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے اسے حکومت نے ضبط کر لیا تھا۔ جیل میں نذرل نے کئی رومانی نظمیں لکھیں جن میں سب سے زیادہ مشہور 'پجارنی' ہے۔ یہ نظمیں چوری سے جیل سے باہر لائی گئیں اور 'ڈولن چانپا'، کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوئیں۔ یہ تمام کتابیں آریہ پبلشنگ ہاؤس نے طبع کیں۔ آروند گھوش کی کتابیں بھی اسی ادارے نے شائع کی تھیں۔ اگنی دنیا کو برندر کمار گھوش کے نام ایک نظم میں معنون کیا گیا تھا۔ مشہور آرٹسٹ ابندر ناتھ ٹیگور نے ٹائٹل کا ڈزائن بنایا تھا۔

جیل سے رہائی کے بعد نذرل مدنا پور گئے جہاں انھوں نے بنگیہ ساہتیہ پریشد کے گیارہویں سالانہ اجلاس میں شمولیت کی اور ان کا سرگرم استقبال ہوا۔ اپریل ۱۹۲۴ء میں انھوں نے پرمیلا سین گپتا سے شادی کی جو ان کے ایک دوست کی رشتے میں بہن تھیں اور جن کے کنبے سے کومیلا کے قیام کے دوران میں ان کے گہرے تعلقات ہو گئے تھے۔ گو کچھ لوگ دو فرقوں کے افراد کی شادی پر چیں بر جبیں ہوئے لیکن اس سے نذرل کی مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ جلد ہی نذرل سیاست میں دوبارہ سرگرم ہو گئے اور انڈین نیشنل کانگرس کی لیبر سوراج پارٹی کے قائم کرنے میں مددگار ہوئے۔ بعد میں اس پارٹی کا نام مزدور کسان پارٹی ہو گیا۔ جیسا کہ پارٹی کے نام سے ظاہر ہے اب وہ عوامی تحریک کی طرف کھنچ آئے تھے برخلاف دھوم کیتو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے زمانے کے جب وہ درمیانی طبقے میں انقلاب کا بیج بونے کے حامی تھے۔ وہ ایک نئے ہفتہ وار اخبار لانگل (ہل) کے ڈائرکٹر بن گئے۔ اس اخبار کے صفحے پر بھی رابندرناتھ ٹیگور کا منظوم اشیرواد چھپا تھا۔

بلرام! ہل پکڑو، صحرا کو ختم کرنے والا ہل۔ قوت اور دولت لاؤ اور بے سود جھگڑوں کو ختم ہونے دو۔

نذرل نے لانگل میں اپنی سامیہ وادی نظموں کا ایک سلسلہ شائع کیا ان خوب صورت نظموں میں مرد اور عورت کے درمیان مساوات کا درس تھا، قدامت پرستی کے خلاف بغاوت تھی، پس ماندہ لوگوں کے حقوق کی حفاظت کا نعرہ تھا، مذہب کی عدم انسانیت کے پردے کو فاش کرنے کی جرأت تھی، ماں کی عظمت کو سلام تھا یہاں تک کہ مظلوم عورتوں کو بھی، ظاہر کے گنہ گار کی انسانیت اور عام اخوت کا ذکر تھا۔ انھوں نے لانگل کے لیے کرشاکیر گان (کسان کا گیت) بھی لکھا۔ ایک معرکتہ آلارا نظم بعنوان "ساویہ ساچی" جو ارجن کے ناموں میں سے ایک نام ہے اسی جریدے میں شائع ہوئی۔

اس زمانے میں نذرل زیادہ تر ہگلی میں رہتے تھے۔ اسی زمانے میں وہ مہاتما گاندھی سے بھی ملے اور چرخے کا گیت انھیں گا کر سنایا جس سے وہ بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے بنگال میں مہاتما جی کی آمد پر ایک بہت اچھا گیت لکھا۔

تم کون ہو جو اس راستے سے آئے ہو جہاں سے تمھارے آنے کی امید نہ تھی۔ تم نے کنس کے قید خانے کے دروازے کھول دیے ہیں۔

شو شمشان کی جلتی ہوئی زمین پر ناچ رہا ہے۔ رقص کرتے ہوئے اپنے پیروں سے وہ پھول کھلا رہا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دیش بندھو چترنجن کی موت پر ہُگلی میں نذرل نے کئی اچھی نظمیں لکھیں - وہ چت نامہ، نامی کتاب میں شائع ہوئیں - ہگلی ہی میں جب وہ سخت بیمار تھے انھوں نے ایک نظم جھبر (طوفان) کے عنوان سے لکھی - یہ ان کی کتاب 'وش بنسی' میں شامل ہے جس کا پہلے ذکر آچکا ہے -

نذرل کو گنگا جل گھاٹی نام کے گاؤں سے جو بانکورا ضلع میں ہے دعوت آئی تو وہ وہاں گئے اور انھوں نے امر کانن نام کے ایک قومی اسکول کا افتتاح کیا - اسکول کا نام ایک مخلص اور انتھک کارکن کے نام پر تھا جس نے اسے قائم کرنے میں بڑی محنت کی تھی -

انھوں نے اسی نام کے عنوان سے نظم بھی کہی - پھر انھوں نے نوجوانوں اور طلباء کی ایک کانفرنس میں بنکورا کے مقام پر شمولیت کی - وہ نزدیک کے ایک قصبے وشنوپور بھی گئے جہاں ایک قلعہ اور ایک توپ ایک خودمختار بادشاہت کی نشان دہی کرتے ہیں - نذرل نے ان کا آزادی کی علامتوں کی حیثیت سے استقبال کیا - وہ ۱۹۲۵ء کے آخر تک ہگلی میں مقیم رہے - پھر وہ کرشن نگر چلے گئے جو کلکتہ سے قریب ایک ضلع کا صدر مقام ہے - وہ وہاں اڑھائی سال تک قیام پذیر رہے اس زمانے میں وہ بے حد مصروف رہے - کرشن نگر میں متعدد کانفرنسیں ہوئیں جن میں نذرل نے حسب موقع اپنی نظمیں سنائیں - پہلے بنگال پرجا کانفرنس منعقد ہو جس میں انھوں نے 'شرمک گان (محنت کا گیت) عنوان کی نظم پڑھی - بنگال پراونشل کانگرس کمیٹی کے ایک سرگرم ممبر کی حیثیت سے انھوں نے بنگال پراونشل کانفرنس منعقد کرشن نگر میں والنیٹر کور کی تنظیم کی - اس کانفرنس میں انھوں نے اپنا مشہور گیت 'کنڈری ہشیار (کشتی بان ہشیار) سنایا جو اب تک بنگال میں ایک دلآویز کورس کی حیثیت سے گایا جاتا ہے - طلبا کی کانفرنس میں انھوں نے طلبا کا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گیت گایا اور نوجوان کانفرنس میں ایک پُرجوش گیت گایا جس کا پہلا مصرع ہے " بڑھو! بڑھو! بڑھو!" کرشن نگر میں نذرل نے مزدوروں کے لئے ایک نائٹ اسکول قائم کرنے میں ہاتھ بٹایا۔ وہاں سے وہ سنٹرل لجسلیٹو اسمبلی کے انتخاب کے لیے کھڑے ہوئے۔ لیکن وہ زمانہ جداگانہ انتخاب کا تھا اور کانگرس نے انھیں ٹکٹ تو دیا لیکن مقابلے کے لیے وہ سرگرم خواہش نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے اس میں ناکامی ہوئی۔ یہاں کے قیام کے دوران وہ ادبی حیثیت سے بہت سرگرم رہے۔ انھوں نے بہت سی نظمیں لکھیں ان میں چند طنزیہ تھیں۔ فرقہ وارانہ معاہدے اور درجہ نوآبادیات ان میں سے دو موضوعات ہیں۔ یہ بعد میں چندر بندُر نامی کتاب میں شائع ہوئیں۔ لیکن یہ کتاب بھی ضبط ہوگئی۔

کرشن نگر میں نذرل اپنی بہترین نظموں میں سے ایک نظم 'دردِر' (افلاس) کے عنوان سے لکھی۔ یہ 'کلّول' میں شائع ہوئی جو کہ ٹیگور کے بعد کی ادبی تحریک کا آرگن تھا۔ یہ 'کلّول' اور اس تحریک کے نمائندہ دوسرے جرائد مثلاً 'کالی قلم' (قلم اور روشنائی) کا کلکتہ اور 'پرگتی'، ڈھاکہ میں اکثر لکھتے تھے۔ اس طرح وہ اس تحریک سے وابستہ ہوگئے۔

نذرل ڈھاکہ گئے اور بڑے کامیاب ہوئے۔ ان کی مشہور نظم سرشٹی شکھ الہاس (تخلیقی مسرت کے وجد میں) بھی کلّول میں طبع ہوئی۔ انھوں نے کمیونسٹوں کے بین الاقوامی ترانے کا ترجمہ کیا اور اُسے گنُ بانی میں شائع کیا۔ یہ لانگل کا دوسرا نام تھا۔ انھوں نے کرشن نگر میں دو ناول لکھے جن کے نام ہیں 'کہلکا' (دُھند) اور 'مرتیہ کشدھا' (موت کی اشتہا)۔ ان میں انقلاب کی طرف فرض کے لیے جذباتی کشمکش کا اظہار تھا۔ اور آرٹ سے زیادہ سیاست پر زیادہ زور تھا۔ کہلکا کا پہلا حصہ اور جھلی ملی اور سیتو باندھو کے ڈرامے نوروز میں شائع ہوئے۔ یہ بنگالی ماہ نامہ ۱۹۲۷ء میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بے نظیر احمد نے قائم کیا جو شاعر تھے اور دہشت پسندوں میں شامل تھے۔ اور ان کا نام ہر ایک کی زبان پر تھا۔ یہ جریدہ صرف پانچ مہینے زندہ رہ سکا۔

۱۹۲۶ء میں کلکتہ میں فرقہ وارانہ فسادات ہوئے۔ نذرل پر ان کا بہت اثر ہوا اور انھوں نے گن بانی میں متعدد مضامین لکھے اور نظمیں بھی لکھیں جو بعد میں پھنی مناشا (کانٹے دار تھوہر) نامی کتاب میں شائع ہوئیں۔ آرٹیکل بھی بعد میں جمع کرکے 'رُدرا منگل' نامی کتاب میں شائع ہوئے۔ دوسری کتابیں جو اس زمانے میں شائع ہوئیں شعری مجموعے تھے ان کے نام یہ ہیں۔ چھایا ناٹ۔ پُبّر ہوا۔ سامیہ وادی۔ سرہرا (مزدوروں کا طبقہ) زنجیر، اور سندھیا۔ نذرل نے چٹاگانگ کے ساحلی مناظر اور نواکھلی کے جزیرے دیکھے تو نیچر اور محبت کے موضوعات پر کئی نظمیں لکھیں جو چکراپک میں شائع ہوئیں۔ اسی زمانے میں کچھ کتابیں مضامین پر مشتمل بھی شائع ہوئیں۔ 'رُدر منگل، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اور 'ُدردن یاتری (بڑے دنوں کا یاتری) خطوط کی صورت میں، ناول بنام بندھن ہرا، اور مرثیہ کشُدھا۔ بچوں کے لیے نظموں کے دو مجموعے جھنگے پھُول، سات بھائی چمپا، ڈراموں کا ایک مجموعہ جھلی ملی۔ ایک اور جس کا نام تھا 'تیلی بیاہ'۔ بچوں کے لیے گیتوں کے تین مجموعے، بلبل، جسے مشہور ادیب اور گانے والے دلیپ کمار بوس کو معنون کیا گیا، چوکھر چٹک اور نذرل گیتکا، (نذرل کے گیت) مجموعۂ نظم 'سنچیتا'، کا پہلا اڈیشن جسے رابندر ناتھ کے نام سے معنون کیا تھا۔

۱۹۲۹ء کے وسط میں کلکتہ میں نذرل کا پبلک نے خیر مقدم کیا مشہور سائنسداں اور سماجی کارکن آچاریہ پرپھل چندر رائے صدر تھے۔ بہت سے اکابر موجود تھے اور مقررین میں سبھاش چندر بوس بھی تھے۔ جنہوں نے نذرل کے روح افزا گیتوں اور نظموں کو خراج عقیدت پیش کیا۔

بیسویں صدی کی تیسری دہائی کے آخر میں جب ان کا بیٹا بلبل سخت بیمار تھا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نذرل نے رباعیات حافظ کا فارسی سے بنگالی میں ترجمہ مکمل کیا۔ نذرل کی نظموں کا ایک اور مجموعہ پرلے سیکھا (شعلۂ قیامت) اسی زمانے میں شائع ہوا۔ ان کے ساتھ ہی ایک نظم نو بھارت ہلدی گھاٹ چھپی۔ یہ اس لڑائی کی یادگار ہے جو ۱۹۱۶ء میں جتیندر ناتھ مکرجی عرف باگھی جیتن اور اس کے ساتھی انقلاب پسندوں نے برطانوی پولیس کے ساتھ بلسور (اڑیسہ) میں لڑی اور اپنی جانیں دے دیں۔ یہ کتاب بھی ضبط ہوگئی۔ نذرل پر مقدمہ چلا اور انھیں چھ مہینے قید کی سزا ہوئی لیکن گاندھی ارون معاہدے کے مطابق وہ رہا ہو گئے۔ یہ دس سال شاعر کی زندگی میں انتہائی سیاسی اور ادبی سرگرمی کے تھے جو بنگالی ادیبوں میں تنہا سیاست سے اپنے لگاؤ پر فخر محسوس کرتا تھا، جب تک کہ اس کا ملک آزاد نہ ہو جائے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

۳

میدانِ پیکار میں

معاصرین نے نذرل کے سیاسی ادب پاروں کے گرم جوشیانہ استقبال کا بہت ذکر کیا ہے۔ خاص طور پر دھوم کیتو میں اُس کے آرٹیکل اس نوعیت کے تھے۔ ہر ہفتے جب پرچہ شائع ہونے کا دن ہوتا سینکڑوں لوگ گلی کوچوں کے موڑ پر ہاکروں کا انتظار کرتے اور پرچہ لینے کے لیے ایک طرح کی جدوجہد ہوتی۔ ان پرچوں میں سے بہت کم کوئی جمع کر سکا۔ برطانوی حکومت نہ یہ کہ انھیں ضبط کر لیتی بلکہ اس کا بھی انتظام کرتی کہ سب کے سب پرچے نیست و نابود ہو جائیں۔ کچھ لوگوں نے چند پرچے بچا لیے تھے اور وہی باقی رہے۔ اُمید کے خلاف ان کے آرٹیکل ایسے نہیں تھے کہ جو محض جوش دلاتے۔ ان میں جذبے کا ہیجان ضرور ہے لیکن ایسی کوئی بات نہیں کہ یہ محض ہیجان پیدا کرنے کے لیے لکھے گئے۔ ان میں مقصدیت کی سنجیدگی تھی اور معقولیت بدرجۂ اتم موجود تھی۔ وہ کسی نظریے کی اندھی تقلید پر زور نہیں دیتے بلکہ ان میں ہر مسئلے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ ہوتا اور متوازن فیصلے سے وہ ایک نتیجے پر پہنچتے۔

دھوم کیتو کے لائحہ عمل کے باب میں ایک آرٹیکل میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ اہل ملک اپنی ذات سے پوری دیانت داری کریں۔ اس میں لکھتے ہیں کہ مجھے اس کا لالچ نہیں کہ لوگ میری عزت اور تعریف کریں اور میں اپنی بساط سے زیادہ اپنے عقل و فہم کا فریب دوں۔ یہی نقطۂ نظر مہاتما گاندھی اور رابندرناتھ ٹیگور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کا بھی تھا۔ میں صرف مہاتما گاندھی۔ آروندو، اور رابندر کے نقطۂ نظر کی آوازِ بازگشت ہوں۔ اگر ان کے پیغام سے میرے دل پر کوئی اثر نہیں ہوتا تو میں ان کی بات نہیں مان سکتا۔ اس آرٹیکل میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان بڑے رہنماؤں کے پیرو بڑی حد تک برخود غلط ہیں۔ اس لیے وہ اخلاقی کمزوری کے مریض ہیں۔ بہت سے لوگ عدم تشدد کی تحریک میں اس میں یقین نہ رکھنے کے باوجود شامل ہو گئے لہٰذا انھیں اپنے قدم موڑنے پڑے۔ صرف وہی لوگ جو اپنے آپ میں مخلص ہیں ملک کی آزادی حاصل کر سکتے ہیں۔

اس آرٹیکل میں صاف طور پر لکھا ہے کہ یہ پرچہ عدم تشدد کی تحریک کی حمایت نہیں کر سکتا۔ عدم تشدد کے باب میں نذرالاسلام کے خیالات بالکل صاف اور عیاں ہیں۔ ایک دوسرے آرٹیکل میں اس بات کی مخالفت کی گئی ہے کہ جنگِ آزادی مذہب کی بنیاد پر ہو۔ غلاموں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ نوجوانوں کو زندہ رہنے کی لڑائی کو ترجیح دینی چاہیے اور مذہب کے احکام سے قطع نظر کرنا چاہیے۔

دوسرے آرٹیکلوں میں جان کی بازی لگا دینے کی تلقین ہے۔ بدی کو تباہ کرنے کے لیے سب کچھ حتیٰ کہ زندگی تک قربان کر دینے کا درس ہے۔ نذرالاسلام نے آنند مٹھ میں بنکم چندر چٹرجی کے ذاتی قربانی کے الفاظ کی یاد دلاتی ہے۔ اس کی زبان کے اسٹائل اور زور کا لوگوں پر بڑا اثر ہوا۔ نوجوان مردوں اور عورتوں میں بے پناہ قوتِ عمل پیدا ہوئی۔

عالمی لٹریچر پر ایک آرٹیکل میں اس نے دنیا کے فن کاروں کے رجحانات کا جائزہ لیا ہے۔ وہ انھیں تین جماعتوں میں تقسیم کرتا ہے۔ (۱) رومانی ادیب۔ (۲) وہ ادیب جو انسانی درد اور تکلیف کو محسوس تو کرتے ہیں مگر اس کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتے (۳) گورکی کی طرح کے ادیب جو عمل کی دعوت دیتے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہیں۔ نذرل آخری گروہ کو ترجیح دیتے ہیں لیکن وہ ان کے سامنے بھی سر جھکاتے ہیں جنہوں نے فکر کی گہرائیوں سے لازوال ادب پیدا کیا۔

'میں بھوکا ہوں' میں نذرل نے ایک دیوانی عورت کی تصویر کھینچی ہے جس کی آنکھوں میں آنسو ہیں جن سے شعلے نکلتے ہیں لیکن اس کی صرف ایک ہی پکار ہے کہ میں بھوکی ہوں، نوجوان اس کی پکار سُن کر متاثر ہوتے ہیں لیکن ان کے والدین ان کو روکتے ہیں۔ لیکن وہ پکار بڑی پُر تاثیر ہے اور بہت سے لوگ اس سے پوچھتے ہیں کہ کیا اُسے کھانا چاہیے یا اسے کپڑوں کی ضرورت ہے۔ مگر وہ اور پُرسوز آواز میں چیختی ہے کہ وہ بھوکی ہے۔ اب وہ پہچانی جاتی ہے۔ وہ مادرِ وطن ہے۔ نوجوانوں کا خون کھَولتا ہے اور انھیں محسوس ہوتا ہے کہ مادرِ وطن 'خون' مانگتی ہے۔ وہ اپنا خون دیتے ہیں اور صبح دم وہ ایک پاگل عورت نہیں رہتی بلکہ ایک دیوی بن جاتی ہے جو اپنے بچوں کو محبت اور مسکراہٹیں عطا کرتی ہے۔ جنہوں نے اپنا خون دیا وہ مرے نہیں۔ وہ مرے نہیں۔ وہ زندۂ جاوید ہیں۔ کچھ کے گلے پھانسی دینے والے کے رسّے سے نیلے پڑ گئے ہیں اور کچھ کے جلّاد کی تلوار سے لہولہان ہیں۔ صاف طور پر یہ آرٹیکل انقلابیوں کی قربانیوں کی طرف ایک اشارہ ہے۔ اس سے اس زمانے میں بڑا جوش پھیلا۔ کمال پاشا پر بھی ایک آرٹیکل تھا بعینہٖ ایسا جیسے نذرل کی اسی عنوان کی نظم ہے۔

مسٹر ابراہیم خاں ایک مشہور ادیب اور ماہر تعلیم تھے۔ ان کے اور نذرالاسلام کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی وہ بھی اس مجموعے میں شامل ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدامت پرست مسلمانوں کے حلقے کس طرح نذرل کو خود میں شامل کرنا چاہتے تھے اور نذرل پر ان کا کیا اثر ہوا۔

مسٹر ابراہیم خاں نے لکھا کہ اسلام بڑا ترقی پسندانہ مذہب ہے اور نذرل

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سے کہا کہ وہ باغیانہ رجحان طبیعت کو چھوڑ کر مسلمانوں کو اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین کریں۔ انھوں نے نذرل سے کہا کہ ان کا وہی مقام ہوگا جو مولانا جلال الدین رومی کا ہے۔ نذرل کا جواب بڑا دلچسپ ہے۔ انھوں نے لکھا کہ وہ اسلام کی صحیح تعلیمات کے قائل ہیں وہ فرقہ پرستی کے بندھنوں میں نہیں رہ سکتے۔ نہ ان کا یہ یقین ہے کہ مسلمانوں یا اہل ملک کو کسی دھما کے سے بیدار کیا جا سکتا ہے۔ ہندو مسلم اتحاد ان کا ایمان ہے اور وہ اپنے آرٹ کے ذریعے اس کی تکمیل کی کوشش کریں گے نہ صرف اس کی بلکہ اہل ملک کی بہبود اور آزادی کی بھی۔ اس طرح جو راستہ انھوں نے اپنے لیے مقرر کیا تھا وہ اس سے نہیں بھٹکے۔

ایک اور آرٹیکل "خوبصورت کان"، نذرل کے زندگی سے متعلق نقطۂ نظر یعنی تلاشِ حسن کی آئینہ دار ہے۔ ان کے ادبی کام ہیں ایک حسن تھا۔ دوستوں اور اہل ملک کی محبت میں بھی حسن تھا اور خود ان کی اسیری بھی خوبصورتی کی حامل تھی۔ رابندر ناتھ نے جب اپنے ایک غزلیہ ڈرامے کو نذرل سے معنون کیا تو اسیری کی سختی کم ہو گئی بلکہ اسیری ایک رحمت بن گئی۔ لیڈروں کی دعوت پر اہل ملک، کے سامنے اپنی نظمیں گانے اور تقریر کرنے کے لیے انھوں نے صوبے بھر کا سفر کیا۔ اس سے ان کے دل میں مادرِ وطن کے لیے بے پناہ محبت پیدا ہو گئی۔ اہلِ ملک میں ان کی مقبولیت کی راہ میں ذات پات اور مذہب حائل نہیں ہو سکے۔ اس نے اس میں بھی ایک حسن دیکھا پھر حسن غم و اندوہ کی صورت میں نظر آیا۔ ان کے تین سال اور آٹھ ماہ کی عمر کے بیٹے کا انتقال ہو گیا جو ہمیشہ ان کا ساتھی تھا اور ہو بہو انھیں کی تصویر تھا۔ انھوں نے پوچھا کہ ایسا کیوں ہوا۔ حسن نے اسے تباہی کی طرف مائل کیا لیکن اس کے لیے ہمت کی ضرورت تھی۔ انھوں نے ایک آواز سنی جس میں غور و فکر کرنے اور ویدانت اور قرآن پڑھنے کی تلقین تھی۔ انھیں محسوس ہوا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کہ وہ اونچے اٹھ رہے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ انھیں ملک کا قرض بھی اتارنا ہے۔ اس میں مادرِ وطن کے مصائب کو دور کرنے کے لیے جنگ کرنے کی ترغیب تھی۔ بلکہ صفحہ زمین سے تقسیم اور عدم مساوات دور کر کے اسے حسین بنانے کا پیام بھی تھا۔ اس طرح تلاشِ حسن کے جذبے نے ان کی زندگی کو بہ حیثیت ایک آرٹسٹ اور ایک مردِ عمل ایک بنا دیا۔ نذر الاسلام نثر میں وہ باتیں واضح طور پر کہہ جاتے تھے جو وہ نظموں میں لکھتے تھے۔

درُدامنگل ایک ایسے آرٹیکل سے شروع ہوتی ہے جس میں پسے ہوئے عوام کو بغاوت کا درس ہے۔ دوسرے آرٹیکل " میرا راستہ " میں یہ تنبیہ ہے کہ ہمیں خود اپنے پر بھروسا کرنا چاہیے اور یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ مہاتما گاندھی ہمارے ساتھ ہیں۔ اصل میں خود گاندھی جی نے ہر ایک سے یہ کہا تھا کہ اسے اپنی طاقت پر بھروسا کرنا چاہیے۔ 'خودی رام بوس کی ماں ' خودی رام بوس ایک انیس سال کا نوجوان تھا جو بنگال کی انقلابی تحریک میں سب سے پہلے پھانسی کے تختے پر چڑھا۔ ایک مقبول نظم ہے جس میں خودی رام موت کے وقت یہ کہہ رہا ہے کہ وہ اپنی ماں کی بہن کے بطن سے پھر پیدا ہوتا ہے وہ خودی رام ہے اور وہ ان کی ماؤں سے کہتا ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کو جنگ آزادی میں شامل ہونے کی اجازت دیں۔

'مندر مسجد'، فرقہ وارانہ فسادات سے متعلق ایک طویل مضمون ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ سنگ وخشت کی بنی ہوئی ان عبادت گاہوں کے لیے سیکڑوں انسانوں کا قتل ایک مجہولیت ہے۔

'وِش بانی' ملک کے غداروں پر ایک تیکھا حملہ ہے۔

'ہندو مسلمان'، میں اس گفتگو کا ذکر ہے جو نذرل اور گورو دیو ٹیگور میں ہوئی۔ اور اس میں انسان کا انسانیت سے گر جانے کا صاف ذکر ہے۔ اس کتاب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یں جو تقریریں جمع کی گئی ہیں ان میں مسلم نوجوانوں سے کہا گیا ہے کہ وہ جدید خیالات سے اثر قبول کریں اور ہندو اور مسلمان کے درمیان ہر فرق کو ایک دوسرے کے کلچر کو جان کر دور کر دیں۔ ہندوؤں نے اپنے قدیم ادب کا بنگالی میں ترجمہ کر کے بڑا کام کیا ہے مسلمان ابھی تک اپنی تاریخ اور مقدس کتابوں کا مطالعہ عربی، فارسی اور اردو ہی میں کر رہے ہیں۔ نذرالاسلام نے اپنے سامعین سے کہا ہے کہ وہ اس کام کو پورا کریں۔

نذرل اپنی تحریروں کے ابتدائی دور ہی میں ہندوؤں، مسلمانوں عیسائیوں اور بودھوں میں اتحاد اور عالم گیر اخوت کے علم بردار تھے۔ نوَیک کے لیے انھوں نے جو آرٹیکل لکھے اور یُگ بانی میں شائع ہوئے ان میں ایک آرٹیکل دھرم گھاٹ یا ہڑتال پر تھی ہے۔ مزدوروں نے اس کا استعمال اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے شروع کر دیا تھا۔ لوک مانیہ تلک کے ماتم میں کلکتہ کا ایک سین، ہندوؤں اور مسلمانوں کو متحد ہونے اور مرحوم کے مقاصد کے حصول کے لیے دعوت ہے۔ چھوت چھات کے خلاف اور دلت جاتیوں کی قوتِ پنہانی سے متعلق ان کے مضامین قومی جدوجہد اور بیداری کے آئینہ دار ہیں۔ دُردِن یاتری، جذبات انگیز آرٹیکلوں کا مجموعہ ہے۔ آمر لکشمی چھاراردل (ہم دنیا کے لاوارث اور آوارہ ہیں) نذرل نے اکھڑے ہوئے نوجوانوں کو اپنے ساتھ چلنے کی تلقین کی ہے تاکہ ان کی زندگیوں سے ایک نئی دنیا وجود میں آجائے۔ یہ تحریریں اپنی ادبیت اور تاریخی اہمیت کے علاوہ زمانۂ قریب میں بنگال کی پر آشوب تاریخ میں عینیت اور ترکِ ذات کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

۴

حُسن کی جستجو

نذرالاسلام کا ایک مجموعۂ نظم بہ نام سندھو ہنڈول ایک نظم سے شروع ہوتا ہے جس کے تین حصّے ہیں اور جس میں سمندر سے خطاب کیا گیا ہے۔ شاعر نے ان حصوں کا نام لہریں رکھا ہے۔ کیونکہ موجیں مارتے ہوئے سمندر میں شاعر جو بہتا ہوا غم دیکھتا ہے یہ اس کی خاکہ کشی کرتی ہیں۔ درد و کرب، ختم نہ ہونے والی جستجو، نامعلوم کی مستقل تلاش، شاعر کے تخیل میں حُسن کی جانب لے جاتے ہیں۔ یعنی کائنات کی عظیم خوش ترتیبی۔ جب چاندنی اسے روشنی بخشتی ہے۔ سمندر حسن کا خواب دیکھتا ہے اور مسرت کی لہروں میں ناچتا ہے۔ لیکن یہ پھر جاگ اُٹھتا ہے اور درد و کرب واپس آجاتے ہیں۔ شاعر محسوس کرتا ہے کہ اس کا اور سمندر کا دُکھ درد ایک ہے۔

ہم ایک ہی درد اور تکلیف میں مبتلا ہیں۔
تم رو رہے ہو، میں رو رہا ہوں، میری محبوبہ رو رہی ہے۔

اس طریق سے جستجو جاری ہے۔ دوسرے حصے میں لہریں تلاش کے سپاہی ہیں طوفان جستجو کے آگے سجدہ کرتے ہیں، بادل لَے سے لَے ملائے ہوئے اس کے ساتھ چلتے ہیں، مچھلیاں اور سمندری جانور قطار میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تہ کے نیچے کستورا مچھلیاں موتیوں کے ہار پروتی ہیں اور مونگے سرخ رنگ کی مالائیں۔ جزیرے مچھلیوں کے لیے محبوبہ کے انتظار کی جگہ بن جاتے ہیں۔ وہ محبوبہ جسے ابھی آنا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سمندر پر چلتے ہوئے جہاز سدھے ہوئے کبوتروں کی طرح نظر آتے ہیں۔ اُڑتے ہوئے پرندے اس کے تصورات کو ادھر ادھر پہنچاتے ہیں۔

تھکا ہوا مانجھی بھٹیال کی دُھن میں گاتا ہے۔ لامحدود اور لامعلوم سے بھی پرے تیر جانے کو میری روح ترستی ہے۔ مانجھی کشتی میں چل پڑتا ہے۔

تم بھی اور میں بھی!

لیکن فوراً ہی یہ احساس ہوتا ہے کہ محبت کسی کو کمزور نہیں کرتی بلکہ وہ برتری اور عظمت بخشتی ہے۔ بہتی ہوئی موجوں میں سمندر اپنا پورا زور لگاتا ہے اور اس کا درد و کرب جھاگ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کی تمام تکلیفیں ساحل پر جمع ہو رہی ہیں۔ شاعر اپنے کو اسی حالت میں محسوس کرتا ہے۔ یہ وقت سمندر سے بالمشافہ گفتگو کرنے کا ہے۔

مجھے تم سے بہت باتیں کرنی ہیں
بہت سے گیت گانے ہیں

اے میرے دوست سمندر! مجھے تمھیں بہت سے دُکھ درد بتاتے ہیں۔

چنانچہ وہ سمندر سے شانت اور خاموش ہو جانے اور اس کے سامنے بیٹھ جانے کو کہتا ہے۔ لیکن اس وقت کوئی بات نہیں ہوگی۔

ہم وہاں بغیر بولے ہوئے اپنے آپ میں ڈبکی لگائیں گے۔
اور اگر ہم نے گفتگو کی بھی تو صرف دو لفظ ہماری زبان پر ہوں گے
تم اپنے محبوب سے جدا ہوا اور میں بھی

تیسرے حصے میں سمندر کا کرب بڑے ضبطِ نفس کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

سمندر نے کرۂ زمین کے تین چوتھائی حصے کو ڈھانپ لیا ہے اور ایک چوتھائی حصہ زمین کے لیے خالی چھوڑا ہے جو اس کی دختر ہے۔ سمندر کی بے پناہ محبت

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

زمین کی حفاظت کرتی ہے اور اسے بے شمار دولت سے مالا مال کرتی ہے۔
دیوؤں اور دیوتاؤں نے امرت منتھن کیا جس سے زمین مالا مال ہوگئی۔ لیکن اس
کا دکھ درد کم نہ ہوا۔

اوپر بھی خلا ہے۔ نیچے بھی اور چاروں طرف بھی
اس میں سمندر کا وسیع پانی محوِ گریہ وزاری ہے
اس کی مظلومیت کا نالہ غیر محدود ہے

لیکن آنسوؤں کے باوجود سمندر حسین ہے۔ شاعر حسن کو سلام کرتا ہے۔

تم عظیم ہو۔ تم ہمیشہ اپنے محبوب کے لیے تڑپتے رہتے ہو۔ اے سمندر
تم میرے دوست ہو۔ میرے دل کے باغی ہو، میرے تصورات کے
حسن ہو۔

میں تمھیں سلام کرتا ہوں۔ میرا سلام قبول کرو
تم روتے ہو۔ میں روتا ہوں، میری محبوبہ ہمیشہ روتی ہے

میں نادار ہوں، تم نادار ہوں، ہر طرف خلا ہی خلا ہے۔ اس سمندر کا پانی
روتا ہے، اس کی ویرانی یا تنہائی کا نالہ کبھی ختم نہیں ہوتا لیکن درد و کرب
کے عالم میں حسن کی اس تلاش کو عدم حسن کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔
یہ مضمون اس کتاب کی آخری نظم "دوارے باجے جھنجھار زنجیر" میں ادا ہوا ہے۔

طوفان دروازے پر زنجیروں کا شور کر رہا ہے
اے ہیرو! اُٹھ اور دروازہ کھول دے
گرما کا سورج ایک تیز آواز کی پکار سن رہا ہے
نوجوانوں کے اس نئے "مارچ" کو فتح نصیب ہو
کیونکہ حسن کرب کی گلاب سے بھری سرخ جھیل میں نہا کر آتا ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وہ عورت کون ہے جو
مندر کے سفید سنگ مرمر کے فرش پر بے روح دیوتا کے قدموں میں
لیٹ رہی ہے، اس کے بال پریشان ہیں اور کپڑے بکھرے ہوئے۔
بالکل اس طرح جس طرح زمین کا سفید پھول جس کے پتے جھڑ گئے ہوں۔
اے ہتھیار بند آدمی تمھارے ہاتھوں میں تلوار چمک رہی ہیں۔
دنیا بھر میں روتی ہوئی عورت تمھارے سامنے سجدہ کرتی ہے۔ تم موت
کے تیر ہو، میدان جنگ اور آنسوؤں کے حجرے کے ہیرو ہو۔
کیونکہ
اے حسن ہم تمھارا راستہ نہایت سیدھا اور آسان بناتے ہیں
ہم تیرے مستقبل کے معمار ہیں
ہم تمھاری آمد کی خوشی میں اپنی جوان اور زندہ آوازوں میں گاتے ہیں
ہماری کڑکتی ہوئی آواز فتح کا نعرۂ مستانہ لگاتی ہے۔
ہم لوگوں کے دلوں میں بے صبری کی آگ جلاتے ہیں۔
اس لیے
انقلاب کا دیوتا تمھارے سروں پر کھڑا ہے۔ وہ بار بار واپس آیا ہے اور
ایک نئے درد کا پیام لایا ہے۔
لیکن ہم نہیں جاگے۔ اس دفعہ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے
آدھی رات گئے خفیہ راستے سے بدصورت دشمن سپاہی آیا ہے
اُس نے پیچھے سے ناگہانی چوٹیں لگائی ہیں
اس نے تمھارے روشن راستے میں تاریکی پھیلائی ہے۔
اس نے طعن و تعریض کے پتھر گرا کر پہاڑ کھڑے کر دئے ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس نے راستے میں جھوٹ کی خندقیں کھو د ڈالی ہیں ۔
اس کی آنکھوں اور چہرے پر مکر آمیز اخلاقی مشورے لکھے ہیں
وہ اور اس کا چیلہ اندھی ہوس میں چیخ رہے ہیں ۔ اے سورج وہ
تیری روشنی کو ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ۔
اب وقت آگیا ہے
موہ لینے والے جھوٹ کے سات سمندروں کو پار کرنے اور اصل مسرت
تک پہنچنے میں ہمیں کتنا وقت لگے گا ۔
اے انقلاب کے جرنیل ، خون کے دیوتا ۔ بولو ، ذرا بولو تم اچھے بھی ہو
اور حسین بھی ہو اس جلتی ہوئی دھرتی کے گیدڑوں میں آؤ اور ہمیں جتنا
سہارا دے سکتے ہو دو ۔
ہمیں طاقت دو ، سہارا دو ، پختہ ترین یقین دو ۔
حاسدوں کا لاکھ کا گھر جس کے دروازے بند ہیں کھول دو ۔
یہ تمام شکوک رفع ہونے دو ۔ اُفق کی دیوی کو نوجوانوں کی فتح کا گانا ہر
طرف گانے دو ۔ بدصورت جھوٹے کو شکست کھانے دو
اے حسن ، اے مسرت ، آؤ ! آؤ ! وہ جن کے پاس روشنی
ہے جاگ اٹھو ۔

اگر کوئی شخص نذرالاسلام کے فلسفۂ زندگی کو دیکھنا چاہے تو وہ
یہاں موجود ہے ۔ حسن کی ابدی تلاش کی راہ ، درد و کرب کے ذریعے اُس بدی
سے بغاوت کی راہ ہے جو دنیا پر چھا رہی ہے ۔ اس بدی کو ختم کرنے کے لیے
آخری ضرب اب اور یہیں لگانا چاہیے ۔ جستجو برابر جاری رہتی ہے ۔ پجارنی اور
ڈولن چاپنیا عنوان کی نظموں میں شاعر ایک درد و کرب کے عالم میں گرفتار ہوتا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہے اور اسی کے ذریعے وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ محبت بھکارن نہیں بلکہ پجارن ہے۔ جذبات کا گرداب ناقابل برداشت ہے۔

وہ شاعر جس نے تمھاری محبت میں موت پر فتح پالی ہے، جس کا گلا اس لیے نیلا ہے کہ درد کی وجہ سے اس نے زہر پی لیا ہے۔ لافانی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

چکر ایک میں کھڑکی کے پاس سپاری کے درختوں کا جھنڈ، نامی نظم میں شاعر درختوں کے پتوں میں محبوبہ کی آواز سنتا ہے۔ آدھی رات کی خاموشی میں پاس کھڑے درختوں کو دوست سمجھتا ہے۔ اب جب وہ گزرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ درخت جڑ سے اُکھڑے پڑے ہیں۔ سورج کی کرنوں کی تپش جھیل رہے ہیں نہ اوس سے بھیگے ہوئے ہیں اور گاہ گاہ چاند کی چاندنی انھیں آراستہ کرتی ہے محبت کے عذاب کی اذیت میں وہ ان سے مصروفِ گفتگو ہے۔

اسی کتاب میں، سمندر موسم سرما میں، نامی نظم میں شاعر سمندر پر واپس آتا ہے جو اس وقت خاموش اور ویران نظر آتا ہے۔ یہ نظم بہت طویل ہے اور جس میں شاعر کا ویران دل اس سمندر میں پناہ حاصل کرتا ہے جس کا برساتی زور شور ختم ہو چکا ہے۔

'اب تم مجھے بھول چکے ہو، ایک اور طویل نظم ہے جس میں محبوبہ کی غیر مستقل مزاجی کا ذکر ہے جس کے نتیجے کے طور پر وہ دست بردار ہو جاتا ہے۔

تم ایک مقناطیس تھیں، خوب صورت اور سخت
تمھارے لمس سے میں بھی حسین ہو گیا
لیکن تمھیں اس کی خبر نہ ہو سکی
میری محبوبہ اسے سچائی سمجھو۔ لیموں کی قطار روشن تو ہوئی تھی مگر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بجھ گئی۔

متضاد جذبات باہمی رشک ورقابت ظاہر تو ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ رشک ورقابت نہیں۔ نذرالاسلام نے جذبات کا پورا ساز بجایا اور انسانی دل میں اس کے اثرات کی تہ تک پہنچا۔ جذبات کے تیز آہنگ میں اس نے نظم میں اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تجربے نے اُسے متصوفانہ محبت کا احساس کرایا جس کا اس نے خاموش ہونے سے پہلے اعتراف کیا ہے۔ وہ اس تک پہنچ چکا تھا اور جلد ہی اس کے بعد وہ اس میں کھو گیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

۵

زندگی سے ہم آہنگ

رابندر ناتھ ٹیگور نے نذرل کو شانتی نکیتن آنے کی دعوت دی تاکہ وہ طلبا کو اپنے گانے سکھائیں اور خود دنیندر ناتھ ٹیگور، ان کے بھتیجے سے موسیقی کا درس لیں۔ انھوں نے رابندر ناتھ کے گانوں کے نوٹیشن بنائے تھے۔ ٹیگور نہیں چاہتے تھے کہ نذرل جو ایک تخلیقی فن کار تھے سیاست میں الجھیں۔ لیکن نذرل کا نقطۂ نظر کچھ اور تھا اور دھوم کیتو کی اشاعت کے وقت ٹیگور نے جو دعائے خیر بھیجی تھی وہ سمجھتے تھے کہ اس سے انھیں اپنے رستے پر چلنے کا حق ہے۔ نذرل اور گورو دیو کے نقطۂ نظر میں کوئی بنیادی فرق نہیں تھا۔ لیکن نذرل اپنے زمانے کے سیاسی تناؤ میں اُلجھے ہوئے تھے۔ اس سے ان کے احساسات میں ایک قسم کی کرختگی پیدا ہوگئی تھی۔ اس کا دُور ہونا ضروری تھا پیشتر اس کے کہ وہ اپنے اردگرد کی زندگی سے ہم آہنگ ہو سکیں۔ سیاسی آزادی کا نہ ہونا ایک عذاب تھا مختلف صورتوں میں سماجی بے انصافی ان کی زندگی پر ایک ناقابلِ برداشت بوجھ تھا۔ سیاسی غلامی اور سماجی عدم مساوات کا ٹیگور کے دل پر بھی بڑا اثر تھا۔ اس کے باوجود وہ اپنی تیز قدمی میں تمام انسانی مخلوق کے لیے بہتر اور خوشحال زندگی کی تلاش میں تھے۔ نذرل بہت مضطرب تھے اور اِسے ایک دن کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ حال بلکہ فوری حال کو ذہن میں رکھتے تھے۔ ان کی نظم امر کیفیت، ان معاصرین کے الزام کا جواب تھا جو کہتے تھے کہ نذرل ایک

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آفاقی شاعر نہیں ہیں۔

نذرل محسوس کرتے تھے کہ ان کا ملک آزاد ہونا چاہیے بیشتر اس کے کہ وہ دل سے عام انسان کے محرکات کی طرف دھیان دے سکیں۔ مذہبی جہالت کی بنا پر پیدا شدہ سماجی عدم مساوات اور قدم قدم کی اقتصادی بے انصافی سے لڑنے کے لیے بے چین تھے۔ لیکن چونکہ وہ زندگی سے ملحق ایک شاعر تھے وہ اپنی ذات سے بلند تر ہو کر جذباتی محرکات کے تحت نظمیں اور گیت لکھتے۔ بیسویں صدی کی تیسری دہائی ان کی خوش آہنگیوں کا زمانہ تھا جب کہ انھوں نے بہت سے گیت لکھے اور دن کی دُھنیں بنائیں۔ لیکن اس زمانے کا آغاز ایک دردناک سانحے سے ہوا۔ ان کے ساڑھے تین سال کے بچے بلبل کا چیچک سے انتقال ہو گیا۔ اس بچے میں عمر کے لحاظ سے بہت زیادہ نشوونما کے آثار تھے۔ بچے کے والدین پر اس کا بہت بُرا اثر پڑا اور نذرل کے رُوحانیت کی طرف میلان میں اضافہ ہو گیا۔ یہ میلان ان میں بچپن سے تھا۔ مرشدآباد ضلع میں لالہ گولا ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر برداچرن موزمدار سے نذرل کو ملنے کا اتفاق ہوا جنھوں نے انھیں یوگ کے آسنوں کی طرف مائل کیا۔ وہ مذہبی کتابیں پڑھنے لگے اور گیروے کپڑے پہن لیے۔ ان کی ادبی زندگی میں تبدیلی آ گئی۔ اور وہ زندگی کی اہم تر باتوں میں مصروف ہو گئے۔ تقریباً دس سال کی مدت تک انھوں نے روحانیت کے حامل گیت لکھے، دُھنوں کے اختلاط و امتزاج کے تجربے کرنے لگے اور لگاتار گیت لکھتے گئے۔ اس کا ذکر پہلے آ چکا ہے کہ نذرل دیہاتی پارٹیوں کے لیے بچپن ہی میں گانے لکھتے بھی تھے اور انھیں گاتے بھی تھے۔ اپنے اسکول میں انھوں نے ایک استاد سے تھوڑی سی موسیقی بھی سیکھی۔ ان کا ناول 'کلھلکا'، کرشن نگر میں لکھا گیا۔ اور ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ان کے افسانوں کا مجموعہ سیولی مالا اور ایک ڈراما' ایلیا، اسی سال شائع ہوئے
ان کے نظموں کے تین مجموعے اس سے پہلے ۱۹۲۸ء میں شائع ہوئے تھے اس
کے بعد بتدریج گیتوں کے مجموعے منظرِ عام پر آئے اور اگلے چار سال میں نذرل
کے گیتوں کے نو مجموعے شائع ہوئے۔

پہلے سُور لیپی (نذرل کے گیتوں کے نوٹیشن) اور اس کے بعد سُر ساقی
۱۹۳۱ء میں شائع ہوئے۔ ذوالفقار اور بن گیتی ۱۹۳۲ء میں، اور گل باغیچہ
۱۹۳۳ء میں شائع ہوا۔ گیت ست دل ۱۹۳۴ء میں چھپا۔ سُر لپی، سُر مُکر اور
گان مالا بھی ۱۹۳۴ء میں چھپے۔

ان کے سیاسی ریکارڈ کی وجہ سے انگریز حاکموں کی گراموفون کمپنی
نے اولاً ان سے احتراز کیا مگر جب ان کے گیت عوام میں بہت مقبول ہو گئے۔
اور عوام میں ان کی مانگ بڑھ گئی تو کمپنی نے انھیں گیت لکھنے اور ان کی تربیت
دینے پر انھیں مامور کر دیا نذرل نے استاد ضمیر الدین خاں سے موسیقی کے باقاعدہ
درس لیے اور بن گیتی ان کے نام پر معنون کی۔ گراموفون کمپنی میں وہ اُستاد کے
جانشین مقرر ہوئے۔ انڈین براڈ کاسٹنگ کارپوریشن کے کلکتہ اسٹیشن نے نذرل
کو گیت لکھنے پر مامور کر لیا۔ نذرل نے اس اسٹیشن کے گانے کے پروگراموں میں
بہت سے نئے فیچروں اور راگوں میں لکھے گئے برجستہ گیتوں سے نئی زندگی بھر دی۔
انھوں نے اپنے دوستوں کے ڈراموں اور فلموں کے لیے بھی گیت لکھے کامیاب
بنگالی فلم دھروُ میں انھوں نے نارد کا پارٹ ادا کیا وہ اس فلم کے میوزک ڈائرکٹر
بھی تھے۔ ایک دفعہ وہ اپنے ڈرامے ایلیا میں ایکٹر کی حیثیت سے بھی پیش ہوئے
تھے۔ ان میں سے بہت سے گیت 'بلبل'، کی دوسری اشاعت مطبوعہ ۱۹۵۲ء
میں طبع ہوئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ ایک عام خیال ہے کہ گہری جذباتیت کی وجہ سے نذرل کی بعض نظمیں بہت طویل ہیں اور بعض اوقات بحور و اوزان کے عدم توازن سے ان کے گیتوں میں بڑی جان آگئی ہے۔ موسیقی ان کے اندر سے اس طرح بہتی تھی جیسے کسی فوّارے سے۔ اور حیرت انگیز سروں کے امتزاج میں شکل پذیر ہوتی تھی۔ یہ دُھنیں کبھی کلاسیکل اور کبھی لوک دُھنیں ہوتیں اور بعض ایسی بھی تھیں جنھیں نذرل نے دوسری قسم کے رقص اور گیتوں سے لیا تھا۔ ان کے گیتوں میں دھرپد، خیال، ٹھمری اور دوسرے کلاسیکل اسٹائل اسی مناسبت سے ہیں جس طرح بھجن، غزل، کیرتن، بال، اور بھٹیال ہیں۔ یہ اسٹائل اٹھارہویں صدی کے سنت گوّیے رام پرشاد اور ان کے دیگر ہم نواؤں کا تھا جو عوام کے دلوں میں ٹھاٹھیں مارتی ہوئی محبت اور بھگتی کا مظہر تھا۔ نذرل نے عربی اور فارسی دُھنیں بھی بڑے سلیقے سے استعمال کی تھیں۔ اہلِ نظر جانتے ہیں کہ اس نے کس طرح متروک دُھنوں کو دوبارہ اختیار کیا اور عام طور پر رائج دُھنوں کے امتزاج سے نئی دُھنیں بنائیں۔ یہ دُھنیں مختلف طبقے کے لوگوں کی خواہشات کے مطابق موسیقی کا ایک بسیط اظہار ہیں۔ نذرل گیت کی دنیا میں جس آسانی اور بے ساختگی کے مالک تھے، اس کی موسیقی کے دلدادگان کے لیے یہ ایک مستقل مقام حیرت ہے۔

بنگالی موسیقی فکر انگیزی سے خالی نہیں ہے۔ وہ اسٹائل یا تال ظاہر کرنے کے لیے محض لفظوں پر ہی قناعت نہیں کرتی بلکہ اس کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اس میں کوئی پیغام ہو، خواہ اس میں خدا، ملک، نیچر، مرد، عورت کی محبت ہو اور کوئی اسی طرح کا جذبہ۔ نذرالاسلام کی موسیقی بہت سی حیثیتوں سے شاندار ہے۔ مادرِ وطن کی محبت اس کے اہم موضوعات میں سے ہے اور بہت سے خوشگوار گیتوں میں ملے گی۔ نذرل مادرِ وطن کے درد و کرب کو جو غیر ملکی غلامی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کی وجہ سے تھا بہت محسوس کرتے تھے ۔ لیکن ان سب سے افضل ان کا یہ خواب تھا۔

اے مادرِ وطن میں نے خواب میں دیکھا تم رانیوں کی رانی ہو
اے نئے ہندوستان! نئے ہندوستان! تیری تعریف کے گانے دنیا بھر
میں گونجتے ہیں۔

نذرل کے حب وطن کے گانوں میں تمام متعلقہ پہلو ہیں، ہندو مسلم اتحاد ان میں بہت اہم ہے ۔ ان کا ایک پُر اہتزاز گانا اس طرح شروع ہوتا ہے ۔

ہندو اور مسلمان دو بھائی ہیں ۔ بھارت کی آنکھ کی دو پتلیاں ۔ وہ ایک
ہی باغ کے دو درخت ہیں، ایک دیودار اور ایک کدم ۔

نذرل کے رومانی گیت لاتعداد ہیں ۔ فطرت سے اس نے نہایت گہرا اور واضح فیضان حاصل کیا ہے ۔ اس کے بہت سے گیتوں میں فطرت کی مختلف صورتیں اور کیفیتیں بھرپور نظر آتی ہیں ۔ یہ گیت نہایت برجستہ دھنوں کی وجہ سے عوام کے دلوں پر ایک دوامی نقش بٹھاتے ہیں ۔ اس کے بھگتی کے گیت کسی خاص طبقے کے لیے مخصوص نہیں تھے ۔ رادھا کرشن کا موضوع اس کی بہت سے نظموں میں موجود ہے جس سے وشنووں کے دلوں پر اتنا ہی اثر ہوتا ہے جتنا کلاسکی بھجنوں اور کیرتن سے ۔ وطن کے تمام فرقوں سے نذرل کو محبت تھی ۔ اس کے لیے اس سے بڑا ثبوت اور کوئی نہیں ہوسکتا ۔ اس کی حب الوطنی انسانیت کے اصولوں پر مبنی تھی ۔ نذرل کے ایک بھجن کے چند مصرعے ملاحظہ فرمائے ۔

اے دل! آ! مسرت کی دنیا میں چلیں
مسرت کی دنیا میں چلیں
مسرت کی دنیا میں چلیں

وہ محبت کی دنیا ہے ۔ وہاں نہ غم ہے نہ الم ۔ وہاں برج بھوم کا لافانی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لڑکا خراماں ہے ۔ اس کا نام شیام ہے ۔ وہ بنسی بجاتا ہے ۔
آؤ مسرت کی دنیا میں چلیں ۔
وہاں نہ موت ہے ، نہ خوف ، نہ تخلیق نہ پاداشِ عمل ۔ وہاں
لازوال شباب ہے جسے کوئی خوف نہیں ۔

اس کے بعد ایک کیرتن ملاحظہ ہو:

کون سی مسرت ہے جس کی بنا پر میں گھر نہ چھوڑتا ۔ اگر میرا شیام سادھو ہو گیا ہے ۔ میں بھی سادھو ہو جاؤں گا ۔ اُس کی شاعری کا موضوع میں ہی ہوں اگر اب میں اس کے تصور میں نہیں ۔ اگر وہ مجھے بھول گیا ہے تو اس کی مرضی ۔ میں تو ہمیشہ اس کے حسن کے تصوّر میں رہوں گا اور سادھو بن جاوں گا ۔

اس کے بعد گیت کیرتن کے حقیقی اسٹائل میں جاری رہتا ہے ۔

نذرل کے اسلامی گیت اسلام کے قدیم جلال و جمال کی صدائے بازگشت ہیں جو انسانی بہبود اور مساوات میں مضمر ہے ۔ ان میں اگر کہیں احیا کا جذبہ ہے تو اسی کی بنیاد پہلی جنگِ عظیم کے بعد مسلم ممالک میں نئی زندگی پانے کی تحریکیں ہیں ۔ نذرل کی انسان دوستی (بین الاقوامیت) مسلم ممالک کے احیا ء میں کسی مذہبی نقطۂ نظر سے نہیں تھی ۔ پہلی نظم ذوالفقار کی ابتدا یوں ہے ۔

روحِ اسلام کی سرخ مشعل چاروں طرف روشن ہے
تم کو اگر اس کی خبر نہیں تو یہ تمہارا کام ہے کہ بیدار ہو اور اپنے
زندگی کی شمع کو روشن کرو ۔
ترکی غازی مصطفےٰ کمال کے ساتھ بیدار ہو گیا اور ترقی کے بام
پر پہنچ گیا ۔
ایران کی ویران سرزمین کو رضا شاہ پہلوی نے بیدار کر دیا ہے ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مصر اپنی غلامی کو بھول چکا ہے اور زغلول پاشا نے اسی نئی زندگی کو بیداری بخشی ہے۔

ہندو اور مسلم نظریات پر مبنی گانوں کی بنیاد بھی انسانیت تھی۔ اور یہ گانے اسی وجہ سے قومی زندگی کے دھارے میں بہنے لگے۔

بنگالی شاعری میں نذرل نے ہی غزل کو پہلے پہل داخل کیا۔ ان کی بہت سی غزلیں ہے۔ ایک غزل یوں شروع ہوتی ہے۔

اے مرے محبوب تو کون ہے جو میرے مزار پر پھول چڑھانے آیا ہے
تم نے میرے دل کو چرایا تھا۔ کیا اتنی مدت گزرنے کے بعد بھی میں تمھیں یاد ہوں۔
جسے تم نے زندگی میں نہ چاہا اُسے اب آرام سے سونے دو۔
اس کی نیند اُچاٹ نہ کرو خاص کر اس وقت جب وہ موت کے اس پار ہے۔

خاکِ وطن سے بے پناہ محبت کی بنا پر نذرل کو بھٹیال اور بھوائی جیسی لوک دھنوں سے گہرا لگاؤ تھا قطع نظر اس کے کہ وہ کہاں رائج تھیں۔ مشرقی اور مغربی بنگال میں متعدد طرز کی لوک دھنیں ہیں۔ نذرل نے قریب قریب ان سب کو استعمال کیا۔ ایک مخصوص 'بال گیت' کے شروع کے مصرعے ملاحظہ فرمایئے۔ 'بال' بنگال کے ایک بھگت فرقے کا نام ہے۔

میں ایک مجذوب 'بال' ہوں۔ میرے بھائی میرا یہ جسم بھی میرا مندر ہے
میرے دل کا دیوتا کہیں دور نہیں رہتا۔ وہ مندر جو اس کا گھر ہے
میرے دل میں ہے۔ وہ تمام مسرتوں اور غموں کے درمیان میرے دل میں رہتا ہے۔ کبھی میں اس کے سامنے جھکتا ہوں، کبھی اسے دل میں بند کر لیتا ہوں۔ کبھی میں اپنی تمام محبت اس پر نثار کر دیتا ہوں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

'بھٹیال' مشرقی بنگال کی ایک دل ہلا دینے والی دھن ہے۔ نذرل کے بہت سے گیت اس دھن میں ہیں۔ ایک گیت یوں شروع ہوتا ہے۔

میرے بھائی او مانجھی تمہیں کونسا غم ہے کہ تم نے ناپیدا کنار دریا میں اپنا لنگر توڑ دیا ہے۔ وہ رسّی جو تمھیں گھر سے باندھے رکھتی تھی ٹوٹ گئی ہے۔ تمہارے پاس دریا پار کرنے کے لیے پیسے نہیں۔ اسی وجہ سے تم منجدھار میں اپنی کشتی چلا رہے ہو مدوجزر کی لہریں تمہاری آنکھوں کے آنسو دیکھنے کے لیے آتی ہیں۔

نذرل کے گیتوں میں ایسے گیت بھی ہیں جو سیاست، سماج اور مذہب کی عیاریوں پر ایک بھرپور طنز ہیں۔ یہ طنز کنایے میں نہیں بلکہ صاف اور نذرل بہت اچھا گاتے تھے۔ نوجوان مرد اور عورتیں جب وہ کوئی گیت گاتے یا نظم سناتے، وجد میں آجاتے تھے اور نذرل بالعموم گیت گاتے اور نظمیں سناتے تھے۔ اس زمانے میں موسیقی کی دنیا نذرل کو بہت اپنائے ہوئے تھی لیکن پھر بھی وہ نوجوانوں، طلبار اور ادیبوں کی کانفرنسوں میں شامل ہونے سے انکار نہیں کرتے تھے کیونکہ اگر اس زمانے میں اگر کوئی ایسا تھا جو قومی زندگی کے بہاؤ سے کنارہ کشی نہیں کر سکتا تھا تو وہ نذرل تھے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

۶

آخری نغمہ

بیسویں صدی کی تیسری دہائی ختم ہوگئی - تقدیر کی ہولناکیاں نذرل پر دست درازی کررہی تھیں - ایک بار پھر وہ نظموں کی تخلیق میں مصروف ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ موسیقی کی دنیا میں سرگرداں تھے تو یہ نظمیں موضِ التوا میں پڑی رہیں - بہت سی نظمیں ان کے صوفیانہ رجحان کی مظہر تھیں - یہ رجحان ان پر بہت چھا چکا تھا - وہ اور دوسری نظمیں بعد میں جب وہ مجذوبانہ عالم میں تھے - کتابی صورت میں شائع ہوئیں - نوتن چاند (نیا چاند) ۱۹۴۵ء میں شائع ہوئی کتاب کی پہلی نظم ہی سے پوری کتاب پر روشنی پڑتی ہے، نیا چاند طلوع ہوا ہے یہ ہمیں خدا کی راہ دکھائے گا - تاکہ ایک ایسی دنیا وجود میں لائیں جہاں نہ مذہبی تفریق ہو نہ نسلی امتیاز، عوام میں نہ جنگ ہو نہ اختلاف، اور نہ ہی حرص و ہوا ہوگی۔ کتاب میں عشقیہ نظمیں بھی ہیں لیکن سب اونچے درجے کی۔ معشوق سے ملنے کی خواہش اتنی بلند فضاؤں میں پہنچتی ہے کہ لازوال اور لامحدود سے وصل کا سکون بن جاتی ہے کچھ نظمیں ایسی بھی ہیں کہ پرُشور اور باغی نوجوانوں کے جذبات کی حامل تھیں - سیاست اور سماج کی ان تحریکات کی حمایت نذرل کی ابتدائی نظموں کا خاص نفسِ مضمون تھا۔ رابندر ناتھ ٹیگور کی انتیسویں سالگرہ پر نذرل کی ایک خاص نظم غیر معمولی طور پر سنجیدہ ہے مگر ان کے گہرے تعلقات کی مظہر ہے جو زمانے کی چیرہ دستیوں کے باوجود ایک باہمی مفاہمت کی صورت میں قائم رہے اس کا عنوان تھا ' اسر و پٹسیا نجلی '

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

(آنسوؤں کے گلہائے عقیدت) ایک اور نظم میں نذرل نے رابندر ناتھ کو ایک ابدی نوجوان سے خطاب کیا ہے۔ سِکھا (شعلہ) ایک درد انگیز پکار ہے کہ قوم جنگ آزادی سے ہٹ کر ووٹ حاصل کرنے کے عمل میں مصروف ہو گئی ہے۔ ایک نظم میں کسان سے خطاب ہے جس میں اسے بیدار ہونے اور اپنے حق منوانے کے لیے کہا گیا ہے۔ ایک دوسری نظم میں ایک سچے مسلمان کے باب میں کہا گیا ہے کہ وہ مرد آزاد اور خلق خدا کا خادم ہوتا ہے۔ اس کتاب کی نظمیں نذرل کا آخری تخلیقی کارنامہ ہے جو وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ ترکِ ذات پر مشتمل ہے۔ سنچائن، بچوں کے لیے دل چسپ نظموں کا مجموعہ ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا۔ مارو بھاسکر میں (خورشید صحرا) رسول کریم کے سوانح اور کردار نظم کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئی۔

شیش سار گات (آخری پیشکش) نذرل کی باقی ماندہ غیر مطبوعہ نظموں کا مجموعہ ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب کے موضوعات مختلف النوع ہیں، کہیں ادبی ہیں اور کہیں وطنی۔

اسی کتاب کے متعلق خاص بات یہ ہے کہ بعض نظمیں بہت غنائی ہیں۔ ان میں ایک گیت مشرقی بنگال سے متعلق ہے اور ایک غنائی ڈراما ہے جس کا نام ہے کاویری کے کناروں پر، جھبر (طوفان) ۱۹۶۰ء میں طبع ہوئی اس میں ایک نظم اُٹھے بچے جھبر (طوفان آ گیا) اور کچھ انتخابات شائع ہوئے ہیں۔ نذرل کی گیتوں کی پہلی کتاب بلبل کا دوسرا حصہ ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا۔ دھوم کیتو میں طبع شدہ آرٹیکل جو دستبرد زمانہ سے بچ گئے تھے اسی نام سے ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئے۔ نذرل کی ادبی زندگی کا جائزہ لیں تو ۴۲ سال کی عمر میں ان کی تخلیقات کا دَور ختم ہو گیا مگر اس زمانے میں انہوں نے نظموں کی اکیس کتابیں، گیتوں کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چودہ مجموعے، چھ ناول اور افسانوں کے مجموعے، چار کتابیں جو انشائیوں اور اداریوں پر مشتمل ہے، تین ڈرامے اور چوتھا بچوّں کے لیے، تین بچوں کی نظموں کی کتابیں اور تین ترجمے فارسی کے تصنیف و تالیف کیے۔

مگر وقت گزر رہا تھا۔ نذرل نے ۱۹۴۱ء کے ابتدائی مہینوں میں اپنی تقریروں میں 'الوداع' کی طرف اشارے کرنے شروع کر دئے تھے۔ ان اشاروں میں ایک صوفیانہ گونج تھی اور یقین کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے دماغ کی عمیق تر گہرائیوں میں ڈوبتے جا رہے تھے جب کہ ایک دماغی عارضہ انھیں لاحق ہو چکا تھا۔ اسی زمانے میں انھوں نے یوگ کے آسنوں پر زیادہ توجہ کی۔ ۲۴ پرگنہ کے ایک قصبے بنگرام میں جو کلکتہ سے زیادہ دور نہیں ہے ایک ادبی کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے نذرل نے کہا تھا کہ وہ ادب سے وابستہ سامعین سے خطاب نہیں کر سکتے۔ انھوں نے تصوف کی چاشنی چکھ لی ہے اور اُسے اپنی ذات میں دیکھ لیا ہے۔ اپریل ۱۹۴۱ء میں بنگال مسلم لٹریری کانفرنس کی سلور جوبلی کے جلسے میں صدارت کرتے ہوئے بھی انھوں نے کچھ اس انداز کی تقریر کی تھی۔ وہ ایک لیڈر یا شاعر بننے کے لیے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ وہ تو محبت کے پیامبر تھے۔ اور امیر اور غریب کے درمیان جو فرق ہے اُسے دُور کرنے کے لیے آئے تھے۔ چونکہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے اس لیے وہ الوداع کہنے پر مجبور ہیں۔

بات یہیں ختم نہیں ہوئی۔ ۲۵ رمئی ۱۹۴۱ء کو ان کا تینتالیسواں جنم دن منایا گیا۔ ٹیگور کا انتقال ۷ راگست ۱۹۴۱ء کو ہوا۔ نذرل نے کئی نظمیں لکھیں۔ چنانچہ ایک کلکتہ ریڈیو اسٹیشن سے انھوں نے براڈ کاسٹ بھی کی۔ اسی سال ماہ اکتوبر میں قومی خدمت کا آخری فریضہ ادا کیا جب کہ انھوں نے نؤیگ کی ادارت کا بار سنبھالا جیسے مسٹر اے۔ کے فضل الحق نے مسلم لیگ کی 'دو قومی' تھیوری

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے خلاف جنگ کرنے کے لیے دوبارہ جاری کیا تھا۔ نذرل نے بھی محسوس کیا کہ انھیں دوبارہ ملک کی خدمت کے لیے بلایا گیا ہے۔ اس کی طرف اشارہ ان کی ایک نظم میں ہے جو شیش ساؤگات میں شائع ہوئی ہے۔

میں پھر زندگی کی سخت راہ پر چلوں گا
میرے دوستو میرے ساتھ شامل ہو جاؤ

ماہ فروری ۱۹۴۲ء میں مارشل چیانگ کائی شیک جو اس وقت چین کے حاکم اعلیٰ تھے۔ میڈم چیانگ کائی شیک کے ساتھ ہندوستان آئے۔ گراموفون کمپنی کی استدعا پر نذرل نے حسب موقع ایک گیت لکھا۔ ان کے فرزند قاضی سادیہ ساچی بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۴۲ء کی ایک شام کو جب دوسری جنگ عظیم مشرق بعید تک آ پہنچی تھی اور کلکتے میں بلیک آؤٹ تھا تو ان کے والد ان کے مکان واقع شام بازار سے شہر کے شمالی حصے میں چلے گئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب نذرل یوگ کے آسنوں کی مشق کر رہے تھے اور روحانیت کی تلاش میں تھے۔ وہ اس رات واپس نہیں آئے۔ سادیہ ساچی اپنے چھوٹے بھائی اور شری کالی پاد گوہا رائے کے ساتھ ان کی تلاش میں گئے۔ شری گوہا رائے کے ان کے خاندان سے اچھے تعلقات تھے۔ وہ بعد میں سنیاسی ہو کر بنارس میں رہنے لگے اور حال ہی میں ان کا وہاں انتقال ہوا۔ انھیں تلاش میں کامیابی نہ ہوئی لیکن بعد میں پولیس نے اطلاع دی کہ نذرل کلکتہ کی ایک شمالی بستی کمار ہٹی میں دیکھے گئے ہیں اور وہاں کے ہسپتال میں ہیں۔ یہ لوگ بڑی تیزی سے وہاں پہنچے تو پولیس نے بتایا کہ غالباً وہ دکشنیشور کو جا رہے تھے۔ اس مقام کو رام کرشن پرم ہنس سے بڑا تعلق ہے نذرل بیرک پور ٹرنک روڈ پر اپنے خیالوں میں گم رواں دواں جا رہے تھے جبکہ فوج کے ٹرک ان کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پاس سے تیزی سے گزر رہے تھے۔ ان کی حفاظت کے خیال سے لوگوں نے ان کو پکڑ کر وہاں کے ہسپتال میں پہنچا دیا۔

۹ جولائی ۱۹۴۲ء کو مقدر نے نذرل پر اپنی ضرب لگائی۔ وہ آل انڈیا ریڈیو کے کلکتہ سٹیشن پر ایک پروگرام کر رہے تھے کہ جب ان کی زبان بند ہو گئی اور وہ کچھ بول نہ سکے۔ بس یہیں ان کی باہوش زندگی ختم ہوئی۔ نذرل کو گھر واپس لایا گیا۔ جلد ہی انھیں اپنے دماغ پر بھی قابو نہ رہا۔ مرحوم شیاما پرساد مکرجی کی مدد سے جو اس وقت صوبائی حکومت میں وزیر تھے اور ڈاکٹر بی۔ سی۔ رائے کی دلچسپی سے جو بعد میں مغربی بنگال کے وزیراعلیٰ ہوئے، نذرل کے علاج کے لیے تدابیر کی گئیں نذرل کو سنتھال پرگنہ میں مادھوپور کے مقام پر لے جایا گیا۔

لیکن اس تبدیلی سے انھیں کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ ڈاکٹر مکرجی کی صدارت میں ایک کمیٹی بنائی گئی تاکہ نذرل کے علاج کا انتظام کیا جائے۔ انھیں کلکتہ میں لمبنی پارک کے پاگل خانے میں داخل کیا گیا۔ مسٹر ذوالفقار حیدر جو خود بھی ایک ادیب تھے۔ اس کمیٹی کے روحِ رواں تھے۔

نذرل کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ تقسیم ملک کے فرقہ وارانہ فسادات اور سیاست نے مزید کوششوں میں رکاوٹ ڈال دی۔ لیکن ماہ جون ۱۹۵۲ء میں نذرل نرامے سمتی جو کہ نذرل کے علاج کے لیے ایک ایسوسی ایشن تھی، وجود میں آئی۔

رانچی کے ہسپتال میں چار مہینے کے ابتدائی علاج کے بعد نذرل اور ان کی بیوی کو ۱۰ مئی ۱۹۵۳ء کو کلکتہ سے علاج کے لیئے یورپ بھیج دیا گیا۔ لندن اور وائنا کے ماہرین نذرل کے مرض کی تشخیص میں متفق نہیں تھے لیکن اس بات پر متفق تھے کہ مرض کی ابتدا میں علاج بہت ہی ناکافی ہوا اور اب شفایابی کی کوئی امید نہیں ہے۔ سوویٹ ماہرین سے بھی مشورہ کیا گیا اور ان کی بھی یہی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رائے تھی ۔ اسی سال ۱۵ر دسمبر کو نذرل اور ان کی بیوی کو واپس کلکتہ لایا گیا۔ اس زمانے سے وہ اپنے بیٹوں کے ساتھ رہتے ہیں ۔ ان میں سے بڑا قاضی سادیہ ساچی اسلام ایک آرٹسٹ ہے اور نظم خوانی کے لیے اس کی بڑی مانگ رہتی ہے۔ چھوٹا لڑکا قاضی انیردھا اسلام مشہور ستار نواز اور استاد ہے۔ ان کی مریض ماں پر میلا نذرل کا مئی ۱۹۶۲ء میں انتقال ہو گیا۔

صدر جمہوریۂ ہند نے نذرل کو پدم بھوشن کا اعزاز دیا ہے ۔ کلکتہ یونی ورسٹی نے نذرل کو ان کی بنگالی ادب کی خدمات پر مشہور جگت ترنی میڈل دیا ہے مغربی بنگال کی حکومت نے نذرل کی اڑھائی سو روپیہ ماہوار پنشن مقرر کر دی جو اب تین سو کر دی گئی ہے ۔ اس حکومت نے ایک قطعۂ زمین بھی دیا ہے جس پر نذرل کے رہنے کے لیے ایک مکان بن سکے ۔ مشرقی بنگال کی حکومت انھیں ساڑھے تین سو روپیہ ماہوار پنشن دیتی ہے ۔ لیکن دماغی فراموش گاری کے باعث نذرل اپنی زندگی کے دن پرسکون خاموشی میں گزارتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

۷

عوامی شاعر

نذرالاسلام اس قسم کے شاعر نہیں تھے جنہیں اپنے ذوق کی تکمیل کے لیے تنہائی کی ضرورت ہو۔ وہ بسا اوقات اپنی ذات میں مگن رہے ہوں گے۔ کئی بار وہ فطرت میں گم ہوئے ہوں گے لیکن انھوں نے ایسا کبھی ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اپنے ادبی کاموں کی تکمیل کے لیے انھیں تنہائی کی ضرورت ہے۔ بلکہ اس کے برعکس انھوں نے اپنی بہت سی معنی خیز نظمیں اس وقت لکھیں جب وہ صحافت میں مصروف تھے۔ وہ اپنے دوستوں کی صحبت میں اختلاط و مسرت سے لطف اندوز ہوتے تو ان میں ایک طوفانی سرگرمی نظر آتی تھی۔ وہ جب چاہتے گیت اور نظمیں لکھ لیتے۔ وہ تھوڑی سی فرصت حاصل کرتے۔ چائے کے پیالے پیتے، پان چباتے اور ایک اچھی نظم یا گیت لکھ دیتے۔ گراموفون کمپنی کا ریہرسل رُوم ہوتا، یا کسی اخبار کے ایڈیٹر کا کمرہ، اپنا گھر ہوتا، یا کسی دوست کا وہ اپنی بلند بانگ گفتگو یا قہقہوں سے ایک گونج پیدا کر دیتے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ نذرل کی زندگی کا دھارا تیزی سے بہتا اور نظم یا گیت کی شکل میں تبدیل ہو جاتا۔ نذرل کے اندر اور باہر میں کوئی فرق نہیں تھا۔ نذرل کے دماغ میں خیالات کے کئی دھارے آکر ملتے تھے۔ بنگال کی سیلابی دھرتی نے اہلِ بنگال کے دلوں پر ایک جذباتی تہ جما دی تھی۔ خیالات کے بہت سے دھاروں نے اس تہ کو بنایا تھا۔ جدید بنگال بظاہر متضاد مگر دراصل موافق مذہبی اور سماجی تصورات کی تحریکوں سے معرضِ وجود

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں آیا ہے۔ ہندوؤں میں پس ماندہ لوگوں کو اسلام کی تعلیمات نے بہت متاثر کیا اور لاکھوں نے اسلام قبول کیا۔

شری چیتنیہ کا ویشنو دھرم مکتبی مذہب کے خلاف ایک احتجاج تھا اور محبت کے تیز بہاؤ میں سماجی پابندیوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گیا۔ ویشنو شعرا کی پداولی کی تخلیقات سے ایک عظیم ادبی شگفتگی پیدا ہوئی۔ کالی دیوی کی پوجا شکتی یا طاقت کے حصول کی پرارتھنا تھی۔ رام کرشن پرم ہنس نے اسے ایک سماجی فریضہ بنا دیا۔ سوامی ووِیکانند نے اسے خدمتِ خلق کے ذریعے خدا کی پرستش بنا دیا۔ بنکم چندر چٹرجی نے مادرِ وطن کو ماں کا درجہ دیا اور حب الوطنی بنگال کی زندگی کا ایک ضروری جزو بن گئی۔ سیاسی واقعات نے حب الوطنی کو شورش آمیز تحریک اور بغاوت کی راہ دکھائی۔ اور ہندوستانی قوم پرستی میں اسے مدغم کر دیا۔ یہاں تک کہ یہ تحریکیں ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۰ء کی تحریکوں سے ہم آہنگ ہو گئیں۔

سیاسی تناؤ سے قطع نظر، بنگال کی عوامی زندگی کی ثقافت کی اپنی ہی صورتیں ہیں۔ رادھا کرشن، شری چیتنیہ اور دوسرے موضوعات کے ذریعے مشرقی بنگال میں بھٹیال، مغربی بنگال میں جھومر، کلکتہ اور اس کے لواح میں مختلف انداز کا کیرتن اور دوسری موسیقی کی اشکال آپس میں وابستہ ہو گئیں تھیں۔ مسلمانوں کے لبزل اندازِ فکر نے صوفیانہ روایت کا پاس کرتے ہوئے اس کلچر میں مزید اضافہ کیا۔

مسلم عابد اور فقیر "مرشدا" اور دوسرے متعلقہ اسٹائل میں نظمیں لکھتے اور گاتے اور عوام کے دلوں پر مجموعی حیثیت سے گہرا اثر چھوڑتے۔

مدن کہتا ہے کہ میں افسوس سے مرا جاتا ہوں

مندروں اور مسجدوں نے تمہارا راستہ روک لیا ہے۔

ضلع جیسور کا فقیر للن شاہ ایک مشہور سنت تھا۔ جس نے خدا یعنی محبوب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے لیے آدمی کی ازلی جستجو کو نظم کیا تھا۔

ٹیگور کا للن شاہ کے باب میں یہ خیال تھا کہ وہ عوام میں ایک نہ مٹنے والی فلسفیانہ جستجو کے پیمبر ہیں۔

یہ کچھ مثالیں اس انداز فکر کی ہیں جنہوں نے مختلف زمانوں میں بنگال کے دل و دماغ کی جذبات سے تشکیل کی۔

حال کے دس بیس سال کے واقعات نے ان کے دلوں پر آزادی مساوات اخوت اور بالخصوص سیاسی اور سماجی آزادی کی مہر ثبت کی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذہانت کی ایک اونچی عمارت کھڑی ہوگئی جس کی بنیادیں کبھی کبھی نفسیاتی دھچکوں سے ہل جاتی تھیں۔ اس کے باوجود بنگالیوں کے دل و دماغ ایک ہمہ گیر اظہار کی طاقت رکھتے ہیں خواہ وہ زبان کے ذریعے سے ہو خواہ عمل سے۔

نذرالاسلام بنگال کا ایک ایسا ادبی اظہار، تھے کہ کوئی اور نہیں تھا۔ ان کی ادبی زندگی کسی بڑی علمیت کی ضرورت مند نہیں تھی۔ دنیا کے جدید ادب سے بھی ان کا واسطہ بہت محدود تھا۔ لیکن انھوں نے بنگالی زندگی کے گہرے تاثرات کو قبول کیا تھا اور ان کا اظہار ہر پہلو، انداز اور صورت سے کیا تھا۔ یہ پورے طور پر معلوم نہیں کہ وہ ملک کی زندگی کے مختلف پہلوؤں، مذہبی، سماجی، کلچر یا سیاسی سے کس طرح ہم آہنگ ہو گئے۔ ان کی نظموں کے بعض بند غیر مرتب ہیں، اور کچھ ایسے ہیں کہ ان میں جامع اظہار کی خوبصورتی نہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ ان کے جذبات ان کی نظموں میں آزادانہ کھیلتے ہیں۔ وہ مختلف تجربات کے باب میں "ترک" کی جو کیفیت محسوس کرتے ہیں اس سے محسوس ہوتا ہے کہ خود ان میں رہے ہیں۔ جذبات کا ہیجان ان کی تخلیقات میں غالب ہے مگر سکون کے وقفے بھی کبھی کبھی ملتے ہیں۔

ایک ادیب کی حیثیت سے نذرل اپنی مثال آپ ہیں۔ ان کی ادبی زندگی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ٹیگور کی موت کے بعد جلد ہی ختم ہوگئی ۔ اس لحاظ سے وہ ٹیگور کے ہم عصر تھے ۔ لیکن جس وقت تمام بنگالی ادیب اپنے اندازِ فکر اور طرزِ تحریر میں ٹیگور سے متاثر تھے نذرل اپنی شاعری کے باغیانہ لہجے، اپنی تخلیقات کی تیز رفتاری اور اپنی خود ساختہ دُھنوں اور گیتوں کی وجہ سے سب سے الگ تھلگ نظر آتے تھے ۔ ان کا شمار جدید ادیبوں میں ہوتا تھا کیونکہ وہ جنسیات کے معاملات اور پس ماندہ لوگوں سے اپنے واسطے کو پابندیوں سے آزاد سمجھتے تھے ۔ ٹیگور نے جب ان کے اس نظریے کو "افلاس کا نعرۂ احمقانہ" بتایا اور کچھ ادیبوں کے عربی اور فارسی کے الفاظ کثرت سے استعمال کرنے پر نکتہ چینی کی تو نذرل نے اس کے خلاف احتجاج کیا ۔ اس کے باوجود وہ کسی خاص مکتبۂ فکر سے وابستہ نہیں تھے ۔ انھوں نے نظمیں اور گیت اپنے جذبے کے تحت لکھے اور انھیں جو کچھ وہ تھے اس سے علیحدہ نہیں سمجھنا چاہیے ۔ عوام سے ان کا خطاب اتنا واضح اور صاف تھا کہ اس کی تشریح کی کوئی ضرورت نہ تھی ۔ نوجوانوں پر تو انھوں نے جادو کر رکھا تھا ۔ ان کی نظموں میں تکرار اور ان کی خوش آہنگی عام تھی ۔ بچوں سے متعلق ان کی نظمیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں وہ بچّوں کے تخیل کے عین مطابق تھیں اور ان میں بہت مقبول تھیں ۔ ان میں بہت سی نظمیں ایسی ہیں کہ بچّے کے تصورات کو عظمت تک لے جائیں ۔ نذرل کے باب میں کہا جاسکتا ہے کہ قلم و نظم و نغمہ پر انھیں آزادانہ تسلط حاصل تھا ۔

ادب کے دوسرے میدانوں میں یہ بات نہیں ۔ ان کے مختصر افسانوں اور ناولوں میں تصویرکشی کے کئی اچھے مقام آتے ہیں یہ تصویرکشی محبت اور اسی قسم کے تیز احساسات کی ہے لیکن یہ زیادہ تر انسانی تجربوں کی تصویرکشی ہے، انسانی تعلقات کے پرپیچ نشیب و فراز کا عقلی جائزہ نہیں ۔ باغیانہ آدرش واد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور سماجی عدم مساوات کے نیچے دبی ہوئی محبت، نذرل کی کہانیوں اور ناولوں کو سیاسی رنگ بخشتی ہے۔ یہ خیال کرنا بے سود ہے کہ اگر پوری زندگی ان کے ہوش وحواس قائم رہتے تو افسانہ نگاری اور ان کے ناول لکھنے کا آرٹ پختہ ہو جاتا۔ انھوں نے دو، تین ایکٹ کے اور چار ایک ایکٹ کے ڈرامے لکھے یہ رومانی اور وطنی ڈرامے زیادہ تر تمثیلیہ ہیں اور نقادوں کے نزدیک صحیح ڈرامے کے معیار تک نہیں پہنچتے۔ حافظ اور عمر خیام کو فارسی سے ترجمہ کرنے میں نذرل خوب کامیاب ہے۔ انھوں نے قرآنِ کریم کا ترجمہ کرنا بھی شروع کیا تھا لیکن وہ اس کا بہت تھوڑا حصہ ترجمہ کر سکے اور خیال کیا جاتا ہے کہ ترجمہ اچھا ہے۔

ایک انشائیہ نگار کی حیثیت سے نذرل نے مسائل حاضرہ کو گہرے تاثر کے ساتھ اور زوردار زبان اور اسٹائل میں پیش کیا ہے۔ اس لحاظ سے ان کے انشائیے اور آرٹیکل جنہوں نے اپنے زمانے میں ہم عصروں پر گہرا اثر چھوڑا تھا، ادبی اور تاریخی حیثیت سے ایک پائندہ قدر و قیمت رکھتے ہیں۔ یہ مضامین اور آرٹیکل نذرل نے اپنی صحافتی زندگی میں لکھے لیکن ایک ایڈیٹر کی حیثیت سے وہ ہنگامی واقعات میں گہری دلچسپی لیتے تھے، اور خبروں کے معاملے میں بڑی دیدہ دری اور مزاح کا اظہار کرتے تھے۔ ہم یہ نتیجہ اخذ کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ نذرل ایک ادبی زندگی بسر کرنے کے لیے دانستہ طور پر خواہش مند تھے۔ انھیں تو محض اس سے واسطہ تھا کہ وہ اپنی قدرتی صلاحیتیں ان لوگوں کی مسرت، غم، محبت، خوف اور جد و جہد کے اظہار میں صرف کر دیں جن سے ان کو پورا قلبی تعلق تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

۸

شاعر مستقبل کی نظر میں

حالانکہ وہ ابھی زندہ ہیں۔ نذر الاسلام بہ حیثیت شاعر و ادیب ختم ہو چکے ہیں۔ اس درد ناک حقیقت کے پیش نظر یہ ممکن ہے کہ ہم اس کا جائزہ لے سکیں کہ مستقبل میں ان کی حیثیت کیا ہوگی۔ اب جب کہ ملک آزاد ہے نذرل کے باب میں یہ عام خیال ہے کہ وہ سیاسی اور سماجی آزادی کے لیے بغاوت کے پیام بر تھے۔ ان کی نظم 'ودروہی' میں آدمی کو سب سے ارفع و اعلیٰ ظاہر کیا گیا ہے۔ وہ اس کائنات کے سامنے تلوار اور بنسی لیے ہوئے ہے اور اسے اس وقت تک چین نہیں جب تک ظلم اور ناانصافی صفحۂ زمین سے ختم نہ ہو جائے۔ آزادی اور مردانگی اس کے نزدیک مترادف ہیں اس لیے نئی نسل کے لیے نذرل اس کے دل کے ترجمان شاعر تھے۔ نذرل انجام کار انصاف کے رائج ہونے میں یقین رکھتے تھے۔ انھیں انتشار انگیز فلسفے میں کوئی یقین نہیں تھا۔ ان کے سیاسی فلسفے کی بنیاد نظموں اور گیتوں کے ذریعے عوام کے لیے وجدانی تحریک کی موجب تھی ان کا یقین تھا کہ آزادی اور انصاف کے لیے اس وقت جنگ ضروری ہے جب تک کہ مقصد حاصل نہ ہو جائے۔

نذر الاسلام بنگالی مکتبۂ فکر کے مستقل نمائندہ ہیں۔ بنگالی زندگی اور کلچر کے کئی دھارے ان کی ذات میں آکر مل گئے ہیں اور ان کے ادب نے ان سب کی ترجمانی کی ہے۔ اس اتحاد و اتفاق میں دو قوموں کے نظریے نے رخنہ ڈالنا چاہا اور اس کی تائید میں کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے کلچر میں اختلاف ہے۔ لیکن

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جہاں تک بنگال کا تعلق ہے یہ دلیل چل نہیں سکی۔ مشرقی پاکستان اپنا ایک نیا ادب تخلیق کرنے میں مصروف ہے اور کوشش کی جارہی ہے کہ اسے مذہبی اور فرقہ وارانہ رنگ دیا جائے۔ چنانچہ ایک زمانے سے جو بنگالی الفاظ رائج تھے۔ ان کی جگہ عربی اور فارسی کے الفاظ استعمال کئے جارہے ہیں۔ اس کوشش کا ایک مقصد یہ ہے کہ کہ مشرقی پاکستان کو ٹیگور سے دور رکھا جائے اور اُسے ایک پردیسی شاعر سمجھا جائے۔ لیکن یہ کوشش کامیاب نہیں ہوئی اور مشرقی پاکستان اور مغربی بنگال کے ادبی رجحانات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ صرف اسی قدر فرق نظر آیا ہے کہ مشرقی پاکستان کے گھروں میں جو گھریلو الفاظ بولے جاتے ہیں ان کا استعمال ادب میں قدرتی طور پر نظر آنے لگا ہے۔ اس اختلاف سے ادب میں اختلاف پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس میں وسعت آتی ہے مشرقی پاکستان میں ایسا کوئی ادب وجود میں نہیں آیا جس سے ہندو اور مسلمانوں کا کوئی اختلاف ظاہر ہوتا ہو۔ قدامت پسند مسلمان نذرالاسلام کو اس کی ابتدائی ادبی زندگی میں نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس کا نقطۂ نظر کافرانہ تھا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب ان کا اثر بڑھتا گیا۔ وہ مسلمانوں کے حق میں حق و انصاف کی تصویر بن گئے اور اپنی تحقیقات کی وجہ سے مسلم نشاۃ ثانیہ کے ایک بڑے معمار مانے جانے لگے۔ بنگالی زندگی کی وحدت کے علم بردار کی حیثیت سے ان کے تاریخی رول کو مشرقی پاکستان والے بھی تسلیم کرتے ہیں اس لیے وہ مشرقی پاکستان اور مغربی بنگال کے درمیان ایک مستقل کڑی ہیں۔ وہ تقسیم سے پہلے بنگال کی ایک پائدار تصویر ہیں اور رہیں گے۔

نذرالاسلام تقسیم سے پہلے ادبی اور سیاسی میدان سے اپنی علالت کی وجہ سے قدرے دور ہو گئے تھے۔ لیکن بنگال کی وحدت و اتحاد میں اور اس کی سیاسی زندگی میں رخنہ اندازی کی وجہ سے نذرالاسلام دوبارہ منظر عام پر آگئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ وہ وقت تھا جب وہ اور ان کے ادب کی قدریں پس منظر میں آگئیں تھیں ۔ حال میں کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انھیں دوبارہ منظرِ عام پر بلا لیا گیا ہے کیونکہ وہ ان قدروں کا خزانہ ہیں جنہیں ضائع نہیں ہونا چاہیے ۔ ان کا جنم دن وسیع پیمانے پر منایا جاتا ہے ۔ ان کی نظمیں اور گیت گائے جاتے ہیں اور مقبول ہوتے ہیں ۔ ان کے نام پر ادارے قائم ہوئے ہیں ۔ ان کی زندگی اور ادب پر کتابچے شائع ہوئے ہیں ۔ نذرل اور ان کے نظریات کو بنگالی زندگی کا جزو بنانے کے لیے نمایاں بے تابی نظر آ رہی ہے ۔

سیاسی سطح پر نذرل کے نظریوں کی ناکامی پر مشرقی پاکستان میں رنج و افسوس تقسیم ملک کے مفاد کی وجہ سے ضرور کم ہوا لیکن کلچر کی یکسانیت کے پیشِ نظر نذر الاسلام کے ادب کی آفاقیت کی پسندیدگی ابھی کم نہیں ہوئی ۔ قدامت پسند طبقے اس سے خوش نہیں ہیں اور نذرل کو تسلیم کرنے سے حذر کرتے ہیں کیونکہ وہ ہندوستانی ہیں اور انھوں نے پاکستان کے نظریے کو کبھی تسلیم نہیں کیا ۔ لیکن ان کے اعتراضات نذرل کی مشرقی پاکستان میں بے حد مقبولیت کی بنا پر کارآمد نہیں ہوئے ۔ اس لیے امید کی جا سکتی ہے کہ نذرل مشرقی پاکستان اور مغربی بنگال میں ایک کڑی بنے رہیں گے ۔ مغربی بنگال کے لوگ بھی نذرل کی مشرقی پاکستان میں مقبولیت کی قدر کرنے لگے ہیں ۔ ہمہ گیر بنگالی کلچر کے ایک مجسمے کی حیثیت سے نذرل دل و دماغ پر ایک دوامی نقش کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ نذر الاسلام کی کٹّر قوم پرستی سماجی انصاف کی علم بردار ہے اور ہر طرح کی تفریق و تقسیم کی مخالف ہے ۔ اور وجد آفریں نثر، نظم اور گیتوں میں انسانی قدروں کے حق میں اس کی آواز کو عوام بخوبی سمجھتے ہیں ۔

۱۹۶۴ء میں چینی حملے کے دوران وہ قومی آزادی اور وقار کی خاطر عوام

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے لیے بیداری کا سرچشمہ تھے۔ ہندوستان مجموعی حیثیت سے قومی لٹریچر کے خزانے میں نذرل کی دائمی دین سے اب قطعی طور پر باخبر ہے۔ اس کی نظمیں دلوں کو ہلاتی رہیں گی اور اس کے گیت موسیقی اور خیال انگیزی کے امتزاج کی وجہ سے ہمیشہ گائے جائیں گے۔

نذرالاسلام کے مقدر میں یہی تھا کہ وہ اپنی زندگی کا صرف ایک حصّہ ہی ادب کی خدمت کے لیے دے سکیں لیکن عوام نے اس کی تخلیقات کی قدر ہے۔ اس کے الہامی کارناموں کو مکمل سمجھا ہے اور آئندہ نسلوں کی زندگی اور دماغ پر ان کا اثر پائندہ رہے گا، یقیناً تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ قائم رہے گا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چند نظموں کا ترجمہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وِدرو ہی

(باغی)

اے بہادرو کہو
میں اپنا سر اونچا کرتا ہوں
ہمالہ میرے سر کی طرف دیکھتا ہے اور اس کی چوٹیاں عاجزی سے سر جھکاتی ہیں
میں کائنات کے بڑے آسمان کے بیچ میں سے گزر رہا ہوں
میں سورج، چاند، سیّاروں اور تاروں کے اوپر پہنچ رہا ہوں
میں زمین اور ساتوں آسمانوں کی حدوں کے پار جا رہا ہوں
یہاں تک کہ عرش (خدائے تعالےٰ کی کرسی) سے بھی پرے
اور ہمیشہ اونچا اٹھ رہا ہوں
کائنات کا بادشاہ متحیر ہے
میری پیشانی پر ناش کرنے والا شِو[1] یوں چمک رہا ہے
جیسے بادشاہوں کے بادشاہ کی دعائیہ مُہر

---

[1] ہندو دیو مالا میں شِو سب سے بڑا دیوتا، تباہی اور قیامت لانے والا۔ وہ سب کی بہبود کا پہرہ دار اور محافظ بھی ہے۔ اس کا ایک کارنامہ یہ تھا کہ اپنی جٹاؤں سے گنگا کی دھار گزاری جب کہ وہ ہمالہ سے میدانوں میں اتری۔ شِو کے اس کارنامے نے گنگا کے میدانوں کی تہذیب کو ممکن بنایا۔ اس نظم میں شِو کی بہت سی خصوصیات کا ذکر ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میرے بہادرو
مرا سر ہمیشہ بلند رہتا ہے
مجھے کوئی مطیع نہیں کر سکتا، میں گستاخ اور بے رحم ہوں
میں تانڈو[1] ناچ ناچنے والا شو ہوں
میں طوفان ہوں، تباہی ہوں
میں فانی خطرہ ہوں، میں اس زمین کی لعنت ہوں
مجھے کوئی روک نہیں سکتا
میں ہر چیز کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہوں
میں ہر قانون کی نفی ہوں۔ میں ناعاقبت اندیش ہوں
میں ہر پابندی کو کچل دیتا ہوں۔ ہاں اور نہیں کے تمام بندھن توڑ دیتا ہوں
میں کسی قانون کو نہیں مانتا
میں منہ تک بھرے ہوئے جہاز ڈبو دیتا ہوں
میں تارپیڈو ہوں اور خطرناک تیرتی ہوئی بارودی سرنگ ہوں
میں لہراتی ہوئی جٹاؤں والا شو ہوں جو گرمیوں کی بے وقت شمالی مغربی ہوا لاتا ہے
میں باغی ہوں، کائنات کی دیوی کا باغی بچہ
اے بہادر لوگ! میرا سر ہمیشہ بلند رہتا ہے
میں طوفان ہوں، آندھی ہوں
میرے راستے میں جو کچھ آتا ہے میں اُسے پیس ڈالتا ہوں

---

[1] شو کے تانڈو ناچ کی طرف اشارہ ہے جب اُس کا رقص کائنات کی تباہی کے خطرے کا پیام دیتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں ایک ایسا سُر ہوں جو رقص میں مست ہے
میں اپنی ہی تھاپ پر ناچتا ہوں
میں زندگی کی بے روک مسرت ہوں
میں ہمبر[۱] چھپا یا ناٹ اور ہنڈول راگ ہوں
میں تیز رفتار ہوں، میں اپنی راہ تیز اشاروں اور چھلانگیں بھر کے چلتا ہوں
میں ہنڈول ہوں، بجلی کی طرح تیز
اس لیے اے دوست میں وہی کچھ کرتا ہوں جو میرا موُڈ مجھے کہے
میں دشمنوں سے ہم آغوش بھی ہوتا ہوں اور ان سے کُشتی بھی لڑتا ہوں
میں پُر تشدد پاگل ہوں، میں ایک ناگہانی طوفان ہوں
میں دنیا کو ڈرانے والی پلیگ ہوں
میں حاکم کا قہر، اور عالم گیر تباہی ہوں
میں جَل کر سرخ ہو گیا ہوں اور ہمیشہ مضطرب رہتا ہوں
اے بہادر سپاہی
میرا سر ہمیشہ بلند رہتا ہے
میں ہمیشہ بے دھڑک ہوں مجھ پر کوئی حکومت نہیں کر سکتا
مجھے کوئی مطیع نہیں کر سکتا۔ میری زندگی کا پیالہ لبالب بھرا رہتا ہے
میں قربانی کی آگ ہوں
میں جمدگنی (ایک رشی) ہوں جس نے مقدس آگ کو ہمیشہ روشن رکھا
میں یگیہ[۲] بھی ہوں اور پروہت بھی

---

۱ ہندوستانی موسیقی کے وہ راگ جو مسرت اور سکون لاتے ہیں۔
۲ آگ کے سامنے ہندوؤں کا ایک مذہبی فریضہ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں اگنی دیوتا ہوں
میں تخلیق ہوں میں تباہی ہوں
میں انسان کے رہنے کا گھر بھی ہوں اور شمشان بھی
میں رات کا اختتام ہوں
میں دیویوں کی ملکہ کا بیٹا ہوں۔ چاند میرے ہاتھ میں ہے اور سورج مرے ماتھے پر
ایک ہاتھ میں بانس کی بانسری ہے اور دوسرے ہاتھ میں جنگ کا نقارہ
زہر پینے سے میرا گلا سیاہ ہو گیا ہے
وہ زہر جو دکھوں سے سمندر سے متھا گیا
میں شو ہوں جو گنگوتری کے مقام پر اپنی جٹاؤں میں گنگا کی دھار لیے ہوئے ہے
اے بے خوف انسان دیکھ میرا سر ہمیشہ بلند رہتا ہے
میں خانہ بدوش بدّو ہوں۔ میں چنگیز ہوں
میں اپنے سوا کسی کو سلام نہیں کرتا
میں رعد ہوں، میں شو کے نرسنگھے سے نکلتی ہوئی آدم کی آواز ہوں
میں صُورِ اسرافیل ہوں جو بڑے زور سے پھُنکتا ہے
میں شو کی کھڑ تال اور ترشُول ہوں
میں دھرم راج کا عصائے انصاف ہوں
میں ابتدائے آفرینش کے دادم، شبد کا ہولناک شور ہوں
میں وشنو کا چکّر اور مہاں سنکھ ہوں[۱]
میں درواسا اور وشوامتر جیسے دیوانے رشیوں کا چیلا ہوں[۲]

---

۱ وشنو کے ہاتھ میں چکّر شیطان کی تباہی کا ہتھیار ہے اور سنکھ اس مہم کے شروع کرنے کی تنبیہی آواز ہے۔ ۲ دو رشی جو تباہی اور بربادی پر مائل تھے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں جنگل کی آگ ہوں اور کائنات کو جلادوں گا
میں کھلے دل کی خوشیاں اور قہقہے ہوں
میں تخلیق کا دشمن ہوں ، میں بہت بڑا قہر ہوں
میں راہو ہوں جو بارہ آفتابوں کو قیامت کے دن گھیرے ہوئے ہوگا
میں کبھی پُرسکون ، کبھی مضطرب ، اور غایت درجے کا خودپسند ہوں
میں سرخ خون والا شباب ہوں جو خدا کو بھی نیچا دکھاتا ہے
میں طوفان کا اُبال اور سمندر کا شور ہوں
میں تابدار ہوں اور ہمیشہ تابدار
میں پانی کی اٹھتی ہوئی لہر اور بہتی ہوئی موج ہوں
میں بے دل نوجوان لڑکی کے بالوں کی پُرشکن چوٹی ہوں
اور دلفریب صورت والی لڑکی کے آنکھوں کی آگ ہوں
میں کنول کی طرح کھلنے والی خودرَو محبت ہوں جو سولہ سال کی
خوبصورت لڑکی کے دل میں پیدا ہوتی ہے
میں بڑا خوش نصیب ہوں
میں ایک بے اعتنا کا گم گشتہ دل ہوں
بیوہ کے دل کی پُراشک آہ ہوں
ناکام چاہنے والے کی فریاد ہوں
بے گھر ، سڑک پر رہنے والے آوارہ آدمی کے دل کی محرومی کا غم ہوں
میں حقارت زدہ کے دل کا دکھ ہوں اور ٹھکرائی ہوئی محبت کے دل کا عذاب
میں ناراض اور مدت سے زخم خوردہ دل کا سُن کر دینے والا درد ہوں
میں فرضی بوسوں اور کنواری کے پہلے لرزیدہ لمس کو کانپتا ہوا چرانے والا ہوں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں نامعلوم معشوقہ کی برق پاش نگاہ ہوں اور ہر بہانے سے اس کی مُڑتی ہوئی نگاہیں
میں بے تاب لڑکی کی محبت اور اُس کے کنگنوں کی آواز ہوں
میں لافانی بچّہ اور لڑکا ہوں
میں گاؤں کی لجاتی ہوئی دوشیزہ کی قبا کی جھالر، انگیا اور گلوبند ہوں
میں بادِ شمال ہوں، بہار کی نسیم، اور پروا ہوں جو ذہن کو آوارہ بناتی ہے
میں آوارہ بھاٹ کا دلآویز نغمہ اور بانسری کی دھُن ہے
میں تابناک آفتاب ہوں اور گرمی کے موسم کی تیز پیاس۔ میں نخلستان کی بہار ہوں اور
سبزہ زار کی پُر منظری
میں بے اختیار مسرت میں آگے بڑھتا ہوں۔ یہ کیسی دیوانگی ہے
میں واقعی دیوانہ ہوں۔ میں نے ابھی اپنی حقیقت پالی ہے۔ میرے تمام بندھن ٹوٹ گئے ہیں
میں جامِد دلوں کی اٹھان، افتاد اور آگاہی ہوں
میں دنیا کے دروازے پر فتح مندی کا جھنڈا ہوں
میں طوفان کی طرح ہاتھوں سے تالی بجاتا ہوا جو زمین و آسمان کو تھامے ہوئے ہیں
تیز رفتار ہوں
میری سواریاں، بّراق[1] اور راچیہ شردا سرپٹ دوڑتے ہوئے ہنہناتے ہیں
میں زمین کے اندر آتش فشاں پہاڑ ہوں۔ میں جنگل کی آگ،
مقدّر کا قتل عام اور زمین کے پیالوں میں آگ کے اُمنڈتے ہوئے سمندر کی صدائے
بازگشت ہوں
میں برق پر سوار ہو کر اچھلتا ہوا اور انگلیاں چٹخاتا ہوا اُڑتا ہوں
میں بھونچال لاتا ہوں اور دنیا کو ڈراتا ہوں

---

[1] عرب اور ہند و دیومالا میں پروں والے فرضی گھوڑے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں واسکی[1] ناگ کے زہریلے دانتوں کو مٹھی میں لیتا ہوں
میں اپنے ہاتھوں سے جبرئیل کے جلتے ہوئے پروں کو پکڑتا ہوں
میں آسمانی فرشتہ ہوں، میں ہمیشہ چُست رہتا ہوں میں شوخ ہوں
اور اپنے دانتوں سے مادر کائنات کے لباس کو پھاڑ دیتا ہوں
میں اورفییس[2] کی جادو بھری بنسری ہوں۔ اس کا نغمہ آہیں بھرتے ہوئے سمندر پر خواب آگیں بے خودی طاری کر دیتا ہے اور نیند میں یہ زمین کا بوسہ لیتا ہے اور پُرسکون خاموشی اس پر طاری کر دیتا ہے
میں کرشن کی بانسری ہوں
جب میں بے کراں آسمانوں پر چھاتا ہوا تیزی سے بڑھتا ہوں دوزخ کی آگ نیچے چمکتی ہے اور ڈر کے مارے بجھ جاتی ہے
میں تمام زمین پر بغاوت پھیلانے والا ہوں
میں ساون کا سیلاب اور طوفان ہوں
میں کبھی زمین کو خوب صورت بناتا ہوں
اور کبھی مائل بہ تباہی
میں وشنو کی آغوش سے دونوں دیویوں[3] کو چھین لوں گا
میں قانون نہ ماننے والا، ایک شہابِ ثاقب، اور کینہ توز سینچر ہوں
میں دنبالہ دار سیارے کی بے پناہ گرمی ہوں۔ اور مہلک زہریلا سانپ ہوں
میں سر کٹی ہوئی چنڈی ہوں

---

[1] ہندو دیو مالا میں ایک ہزار پھنوں والا ناگ
[2] یونانی دیو مالا میں المپس پر بنسری بجانے والا
[3] لکشمی اور سرسوتی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جنگ کی دیوی جو بربادیٔ مطلق[1] کی باعث ہے
میں دوزخ کی آگ میں بیٹھ کر پھولوں کی ہنسی ہنستا ہوں
میرا جسم مٹی کا ہے لیکن میں دراصل روح ہوں
میں قیدِ زماں سے آزاد اور لافانی ہوں، میری طاقت ختم نہیں ہو سکتی میں کبھی ختم نہیں ہوتا
میں بنی آدم، دیویوں اور دیوتاؤں کے لیے ایک خوف ہوں
کائنات میں مجھے کوئی جیت نہیں سکتا
میں خدائے کائنات کا بھی خدا ہوں
سب سے بلند تر سچائی
میں زمین، دوزخ اور بہشت میں دیوانہ وار رقص کرتا ہوں
میں دیوانہ ہوں - میں دیوانہ ہوں
میں نے اپنی حقیقت پالی ہے اور میرے تمام بندھن کٹ گئے ہیں
میں پرسرام[2] کا کلہاڑا ہوں - میں دنیا کو جنگجو طبقے سے نجات دلا کر شانتی اور امن لاؤں گا
میں بلرام[3] کے کندھوں پر ہل ہوں - اور میں نہایت آسانی سے زنجیروں میں جکڑی ہوئی اس دھرتی کی بنیادیں اِسے بالکل نئی بنا دینے کی مسرت میں ہلا دوں گا -
میں جنگ سے تھکا ہوا باغی اسی دن چین لوں گا جب مظلوموں کے نالے ہوا اور آسمان کو نہیں چیریں گے -
اور ظالم کی تلوار اور نیمچہ میدانِ جنگ میں خاموش نہیں ہو جائے گا
اس روز لڑائی سے تھکی ہوئی میری ذات چین پائے گی

---

[1] طاقتِ مطلق ترکِ مطلق کی مظہر - اپنا سر اپنے ہاتھ پر رکھ کر رقص کناں
[2] وشنو کا اوتار جس نے کھشتریوں کو ختم کر دیا تھا - [3] کرشن کا بڑا بھائی -

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں باغی بھیر گو ہوں اور میں نے خدا کی چھاتی پر اپنے پیر رکھ دئے ہیں
میں خالق کو مار ڈالوں گا اور من موجی خدا کے دل کو چیر ڈالوں گا
جو رنج اور افسوس بھری سرزنش سب کو کرتا ہے
میں باغی بھیر گو ہوں اور میں نے خدا کی چھاتی پر اپنے پیر رکھ دئے ہیں
میں اس من موجی خدا کی چھاتی پھاڑ ڈالوں گا
میں لافانی بہادر باغی ہوں
تنہا میں کائنات کے سر پر کھڑا ہوں اور میرا سر کبھی نہیں جھکتا

قلی

ایک دن میں نے دیکھا کہ ریلوے اسٹیشن پر ایک امیر زادہ ایک آدمی کو اس لیے دھکا دے رہا تھا کہ وہ قلی تھا۔ میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ کیا دنیا میں کمزوروں پر اسی طرح حملہ ہونا چاہیے۔ دوہیچی[1] کے قبیلے کے لوگ جن کے نمائندے قلی ہیں اسٹیم کی گاڑی چلاتے ہیں لیکن صرف بابو گاڑی پر سوار ہوتے ہیں اور قلی نیچے رہتے ہیں۔

کیا تم کہہ سکتے ہو کہ تم نے ان کی مزدوری دے دی ہے۔ جھوٹوں کے قبیلے! خاموش رہو۔ بتاؤ تم نے انھیں کتنی پائیاں دی ہیں اور ان سے کتنے کروڑ کا فائدہ اٹھایا ہے۔ تمھاری موٹریں سڑکوں پر چلتی ہیں۔ جہاز سمندر میں چلتے ہیں۔ بھاپ کی گاڑیاں ریلوے لائین پر چلتی ہیں، کارخانوں سے زمین پر بھیڑ ہوتی ہے۔ بتاؤ یہ کس کی دین ہے۔ تمہارے مکان پر کس کے خون سے رنگ کیا ہوا ہے۔ اپنی آنکھوں

[1] ایک رشی جس نے اپنی ہڈیاں دیوتاؤں کو دے دی تھیں تاکہ وہ انھیں بجلی کی کڑک کے ساتھ برسنے والے پتھر بنا کر راکشسوں کے راجہ ورِتر کو مار سکیں کیونکہ وہ دیوتاؤں کا دشمن تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سے پردہ ہٹاؤ تو اس کا جواب ہر اینٹ پر لکھا ہوا ملے گا۔ تم نہیں جانتے ہو لیکن سڑک کی خاک کا ہر ذرہ جانتا ہے کہ اس سڑک، جہاز، گاڑی اور مکان کی تعمیر میں کتنی انسانی قربانی صرف ہوئی ہے۔

وہ مبارک دن قریب آ رہا ہے جب یہ قرض جو روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے چکانا ہوگا۔ وہ جنہوں نے ہتھوڑا، پھاوڑا اور بلچہ چلایا، جنہوں نے پہاڑ کاٹ ڈالے، جن کی ہڈیاں پہاڑ کاٹ کر بنائی ہوئی سڑک کے دونوں طرف بکھری پڑی ہیں، جنہوں نے خود کو مزدور، حمال، قلی کہلوانے پر صرف اس لیے قناعت کی کہ آپ کی خدمت کر سکیں جنھوں نے تمہارا بوجھ اٹھانے کے لیے اپنے جسموں کو گرد آلود کیا، وہ حقیقی انسان ہیں، وہ دیوتا ہیں اور میں ان کے گیت گاتا ہوں

ان کے زخم خوردہ دلوں سے احیائے نو کی تحریک اُٹھتی ہے اور پھیلتی ہے تمہاری یہ امید غلط ہے کہ تم تیسری منزل پر آرام کرو گے اور ہم نیچے پڑے رہیں گے اور اس کے باوجود تمھیں دیوتا مانیں گے۔ دنیا کے مسائل پر انھیں کا قبضہ ہو گا، جن کے جسم اور دل دھرتی کی محبت سے تر ہیں ہم ان پاؤں کی مٹی کو جمع کریں گے جو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ چل کر گرد آلود ہو گئے ہیں اور تعظیم سے اس مٹی کو اپنے سر پر رکھیں گے۔

آج کی نئی صبح درد سے کراہتی ہوئی دنیا کے خون سے سرخ ہے، دل کے تمام زنگ خوردہ دروازے کھول دو۔ اپنی کھال سے پُرنقش پردے ہٹا دو، آسمان کے نیچے ہوا کو دل میں داخل ہونے دو اور تمام کھڑکیاں کُھل جانے دو۔ پورے آسمان کی جلوہ گاہ کو ہمارے گھروں میں در آنے دو، چاند اور تاروں کو ہمارے سروں پر برسنے دو۔

ہر ملک اور ہر زمانے کے انسانوں کو انسانیت کے سنگم پر کھڑا ہونے دو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور اتحادِ عظیم کی ہنسی کا گیت سننے دو۔
اگر ایک آدمی کو ضرب پہنچے تو سب کے دلوں میں درد پیدا ہو۔ اگر ایک آدمی کی توہین ہو تو پوری نسل آدم کے لیے شرم اور ہتک کا باعث ہو۔ آج کائناتی انسان کے دردِ عظیم کے اٹھنے کا دن ہے۔ خدا اوپر ہنس رہا ہے۔ اور نیچے شیطان خوف سے لرزاں ہے۔

میں ان کے گیت گاتا ہوں

میں ان کے گیت گاتا ہوں
آج کے نوجوان کا جو غیرت مند ہے، تیز تلوار چلاتا ہے، اور ہر طرف ناممکن کو ممکن بنانے کے لیے سرگرداں ہے
جنہوں نے قدیم ممیوں کے لاکھوں سال پرانے مینار توڑ کر تاریخ میں یادگار چھوڑی ہے
جنہوں نے اپنے سانس سے پھٹی ہوئی کتابوں کے اوراق اُڑا ڈالے ہیں
جنہوں نے مارچ کرتے ہوئے جھوٹے خداؤں کی پرستش گاہوں کو اور سال خوردہ، جھوٹے اوصاف والے معلّمانِ اخلاق کی دکانوں کو تباہ و برباد کر دیا ہے
جن کی زندگی کے تیز دھارے نے، گوبر کے ڈھیروں، بظاہر نہ ہلنے والی تعصب کی چٹانوں اور مقدس تحریروں کی ہڈیوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا دیا ہے۔
جو پاک روحوں کے ساتھ پُر فریب نظریوں کے شامیانے میں بے دریغ گھس گئے ہیں اور جنہوں نے عقلیت کی بندوق لے کر نہایت بے رحمی اور بے خوفی سے اوامر و نواہی کی دیوارِ چین پر ہتھوڑے اور سبلوں سے ضرب لگائی ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جنہوں نے تمام قبرستانوں میں ہل چلا کر تمام لاشوں اور ہڈیوں کو باہر پھینک دیا ہے اور انھیں گلزار بنا دیا ہے۔ زندگی کے ساحل پر کھڑے ہو کر اپنے نعروں سے گونج پیدا کی ہے۔

جو آج زندگی کی سڑک پر دنیا کے ساتھ گام زن ہیں
میں اس کے گیت گاتا ہوں

اس یاتری کے جس نے آدھی رات کے وقت طوفانی سمندر میں تنہا اپنی کشتی چھوڑ دی اور صبح کو ساحل پر واپس نہیں آیا۔ میں آج بھی آدھی رات کو جاگتا ہوں۔ اپنے آنسو پونچھتا ہوں اور اس بے خوف کے لیے گیت لکھتا ہوں۔ میں آج بھی سوتا نہیں اس کی آمد کا منتظر ہوں اور گاتا ہوں۔

وہ جو صبح کو واپس نہیں آیا۔ رات کو آسمانوں کی طرف اڑ گیا۔ وہ نئی دنیا کی تلاش میں ایک ان تھک مسافر ہے۔ اس کے ڈر سے موت کے دروازے کا سنتری مسلسل جاگتا ہوا پہرا دے رہا ہے

میں ان لوگوں کو سلام کرتا ہوں اور ان کے لیے گاتا ہوں جو زندگی کی خاطر موت کا پیچھا کرتے ہیں، سمندر کی تہ میں، آسمان کی بے کرانی میں، جو مایا جال میں رہتے ہیں۔ زمین کی تہوں میں انمول ہیرے جمع کرتے ہیں، جو ناگن کے زہریلے دانتوں کا ڈنک بھی سہتے ہیں اور اس کے سر سے مَن اٹھا لیتے ہیں، جنہوں نے بجلی کے دیوتا سے جنگ آزمائی کی ہے اور جن کے سروں پر بجلی کے پتھر پڑے ہیں۔ اور جنہوں نے بادلوں کی تیز رفتار لڑکی کو غلام بنایا ہے۔ ہوا جن کا حکم مانتی اور جنہیں پنکھا جھلتی ہے

مجھے تمام دنیا پر افسوس ہے۔ ان پر بھی جنہیں پھانسی کے رسّے نے بے حس کر دیا ہے۔ اور جن کی قید کی کوٹھڑیوں میں صبح جو ایک زمانے سے بند ہے ممکن ہے جاگے اور مُسکرائے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وہ جس نے اپنا سب کچھ کھو دیا

وہ ایک ساحل ہے نہایت خطرناک اور اندوہ کے سمندر کے گرد حلقہ بنائے جہاں کوئی ٹھہر نہیں سکتا اور جہاں ہر وقت تیرتے رہنا ضروری ہے۔ تم دیوانے کون ہو جو ایسے ساحل پر قدم دھرتے ہو۔ آسمان پر بجلی تمھیں اشارہ کر رہی ہے۔ تم نے جب سب کچھ کھو دیا ہے تو اس جھونپڑی کو چھوڑ دو۔ بادل ماں کی طرح تمھارے سر پر آنسوؤں کی موسلا دھار بارش کر رہا ہے اور زمین پر ہاتھ پھیلائے ہوئے درخت تمہیں بلا رہے ہیں۔ تمہاری دُختریں بڑھتے ہوئے سیلاب کے شور میں اشک ریز ہیں، سمندر نے جو ان کی ماں ہے انھیں اپنی آغوش میں بلایا ہے۔ او مانجھی او مانجھی اب کشتی کو چلا دے۔ طوفان کے بے سدھے ہوئے گھوڑے پُر شور موجوں کی سواری کرتے ہیں۔ میرے بھائی تمھیں اب کیسا انتظار ہے۔ پُر فریب تعلقات کا لنگر اب اٹھا دو۔

تمھارے اپنے گھر کے صحن میں تمھارا کام ختم ہو چکا۔ دیکھو تمھاری پالتو ہرنی ساحل کی طرف اشتیاق سے دیکھ رہی ہے۔ تمہارے ساتھی دور چلے گئے۔ ساون کی برساتی رات چھا گئی۔ اپنے دُکھ کی پھٹی ہوئی چٹائی مت بچھا اور مزید نہ سوؤ۔ اس اشک انگیز تاسف کے بندھن کاٹنا بہت کٹھن ہے۔

تم نے ہیرے اور جواہر نہیں مانگے اور نہ کروروں روپے۔ تمھاری ضرورت تو صرف یہی ہے کہ مٹّی کا پیالہ بھر جائے۔ تم تو صرف وہ نیند مانگتے ہو جو تمھاری تھکن مٹا دے، ایک پھٹی ہوئی چٹائی پر نیند، ایک چھوٹی سی چارپائی اور دروازے پر جلتا ہوا ایک چراغ۔ پھر بڑھاپا اور موت چوروں کی طرح آ گئے۔

او مانجھی اپنی کشتی دھرتی کی چھاتی پر آنے کے لیے چھوڑ دو۔ اپنے پیروں کو دھرتی سے ٹکر کھا کر خون آلودہ ہونے دو۔ تم ہلاکت کی راہ سے اوپر آ جاؤ گے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تم پہاڑیوں، جنگلوں اور پہاڑوں کو پاؤں تلے روند ڈالو گے۔ بارش شور مچاتی ہے اور سمندر کا پانی تمہارے گرد ایک بھنور کی صورت میں رقص کرتا ہے۔ اے سمندری جانباز اب زمین کی سطح پر واپس آؤ۔

ہندو مسلم لڑائی

حوصلہ رکھو! حوصلہ رکھو! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آخر کار ہندوستان زندہ ہو گیا ہے۔ شمشان اور قبرستان زندہ ہو گئے ہیں۔ جو دائمی موت کے سزا یافتہ تھے شدّتِ درد سے بیدار ہو گئے ہیں۔

خالد اپنی تلوار چلا رہا ہے
ارجن نے اپنی کمان تان لی ہے
ہندوستان جاگ اُٹھا ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں نے ہاتھوں میں لاٹھیاں لے لی ہیں۔
ایک دوسرے کی ضرب سے ہندو مر رہے ہیں مسلمان مر رہے ہیں
جو مر رہے ہیں وہ زندہ ہیں
ایسی موت باعثِ شرم نہیں ہوتی
وہ لڑ رہے ہیں کیونکہ ان کی توانائی جوش پر ہے
ہتھیاروں کی لڑائی سے وہ ایک دوسرے کو نئے سرے سے پہچاننے لگے ہیں
آج اس کا امتحان ہے کہ کون زیادہ طاقت ور ہے
کون کل کی لڑائی میں مریں گے
اور کون مرنے کے خواہش مند نہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آؤ اور نیم زندہ آدمیوں کے گلوں سے زندگی کی چیخ سنو
امرت جلد ملے گا کیونکہ زہر ختم ہو چکا ہے
منتھن کرتے جاؤ
کافر ختم ہو گئے اور اس کے ساتھ یَوَن بھی
اب طاقتور ہندو اور مسلم ظہور میں آئیں گے
تم بیدار ہو گئے ہو اور خدا بھی
اس کی مشین چل پڑی ہے
آج ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاگرد اور استاد طاقت آزمائی کر رہے ہیں
وقت ضرب پر ضرب لگا رہا ہے تاکہ بزدل ہندوستان نڈر ہو جائے
وقت دیکھ رہا ہے کہ معمولی سی ضرب سے بندھی ہوئی مٹھی یا کلائی ٹوٹتی ہے کہ نہیں۔ اور یہ بھی دیکھ رہا ہے کہ کون سخت ضرب لگا کر لڑائی جیتتا ہے اور کونسا جرنیل اس فرضی لڑائی میں غصے میں نہیں آتا۔
یہ نام نہاد ہیرو کون ہے
جو خون کے چند قطرے دیکھ کر رضائی یا پیوندوں سے بھری دلق کے نیچے لیٹ جاتا ہے۔ تلوار کو ایک طرف پھینک کر اپنے آپ پر سیاہی مل لیتا ہے اور بیہودہ طور سے بڑبڑا رہا ہے۔ خدا رکھے! کیا یہ نامرد آنے والے انقلاب میں رہنمائی کریں گے
جب طوفان یا آندھی آئے گی وہ لوگ کیا کر سکیں گے جن کے دماغ محض چیخ کی آواز سے گھومنے لگتے ہیں
خدا امتحان لے رہا ہے
خون کے سمندر کو تیر کر کون پار کر سکتا ہے
تمھارے اپنے ہی حملوں نے تمھارے مندر زوا، اور مسجدوں کو مسمار کر دیا ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جن کی بنیادیں ایک غلام قدم کے آلودہ ہاتھوں نے رکھی تھی
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا ان لوگوں کی عبادت گاہوں کو مٹا رہا ہے جو دوسروں کے غلام ہیں۔
شہید آزاد ہاتھوں سے پاک کردہ مٹی سے قربانی کی عبادت گاہ بنائیں گے

کیا کلس گر پڑے ہیں
اسی طرح تمھاری نیند ختم ہو گئی ہے
کون کس کو مارتا ہے۔ یہ معما ابھی تک حل نہیں ہوا
تاریکی ابھی دور نہیں ہوئی
وہ نہیں جانتے کہ تاریکی میں وہ اپنوں کو ہی دشمن سمجھ کر مارتے ہیں
سورج طلوع ہوگا۔ انتشار ختم ہو جائے گا، منظر صاف ہو جائے گا۔ رکاوٹیں دور ہو جائیں
گی اور وہ دیکھیں گے کہ انھوں نے بند دروازوں کے پیچھے اپنے ہی بھائیوں کو مار ڈالا ہے۔
ترسول اور تلوار نے ہندوستان کی تقدیر ہی کو کاٹ کے رکھ دیا ہے۔
وہ ڈنڈے جنہوں نے مسجدوں کو توڑ ڈالا ہے اور مندروں کے کلسوں کو گرایا ہے، کل
دشمن کے قلعے کو توڑ پھوڑ دیں گے۔ اس صبح کو بھائی بھائی آپس میں نہیں لڑیں گے۔
وہ اپنوں ہی میں اپنے دشمنوں کو پہچان لیں گے۔
انھیں لڑنے دو۔ کم سے کم یہ جاگ تو اٹھے ہیں
فتحمندی کا جھنڈا لہراؤ
اگر تمھاری دُم کو آگ لگا دی گئی ہے
تو اس سے سونے کی لنکا کو جلا دو

طالب علموں کا گیت

ہم قوت و طاقت ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

طالب علموں کا گیت

ہم طالب علم
طوفان ہمارے پیروں کے نیچے مر جاتا ہے
ہمارے سروں پر آسمان، طوفان اور بارش ہے
ہم طالب علم ہیں
ہم مشکل سڑک پر رات کی تاریکی میں مارچ کرتے ہیں
اپنے خوفناک مارچ سے ہم سخت دھرتی کو خون سے لال کر دیتے ہیں
ہر زمانے میں ہمارے خون نے دھرتی کو سینچا ہے
ہم طالب علموں کے خون نے
ہماری روحوں کی اڑان اسی طرح لامحدود ہے جس طرح دنبالہ دار سیارے کا کوئی مدار نہیں.
ہم قسمت کی دیوی کی قربان گاہ پر ہمیشہ قربان ہوتے ہیں
جب دیوی لکشمی تر لوک کی طرف چلی جاتی ہے ہم طالب علم نیچے ۔ پیدا کنار آسمان تک پہنچ جاتے ہیں
ہم موت کے بادشاہ کے قربانی والے گھوڑے کی عنان تھامے ہوئے ہیں
ہم طالب علم اپنی موت سے اپنی زندگی کی تاریخ لکھتے ہیں
ہم قہقہوں کی سرزمین میں تباہ کن آنسو لاتے ہیں
جب ہمیں کوئی سنجیدہ نصیحت کرتا ہے ہم غلطیاں کرتے ہیں
جب محتاط لوگ بند بناتے ہیں ہم کناروں کو توڑ دیتے ہیں
ہم نوجوان سڑک پر ہولناک رات میں اپنے خون سے پھسلن پیدا کرتے ہیں
ہم طالب علم ہیں
دانائی کا چراغ ہماری آنکھوں میں روشن ہے
ہمارے دل روشنی افزا گفتگو سے بھرے ہوئے ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہماری پر یقین آوازوں میں ابدی پکار ہے
ہم نے دیوی سرسوتی کے سفید کنول کو اپنے خون سے لال کر دیا ہے

ہم طالب علم ہیں
عوام کی بغاوت کے ان دنوں میں ہم اپنا سر جھکاتے ہیں
ہم میں ملک کی آزادی کی پکار ہے
ہم نے مادر وطن کے سبز دامن کو شان و شوکت کے آنسو دئے ہیں

ہم طالب علم ہیں
ہم محبت اور امید کے مستقبل کے معمار ہیں
آسمان پر کہکشاں ہمیں جنت کی راہ بتاتی ہے
دنیا کے تمام مرد اور عورتوں کے خواب ہماری بصیرت سے سچے ثابت ہوں۔ ہم طالب علموں کی بصیرت سے۔

مارچنگ کا گیت

کورس
چل، چل، چل
اوپر آسمان پر نقارہ بج رہا ہے
نیچے زمین بے تاب ہے
شفق آلود صبح کی نوجوان فوج

چل، چل، چل
ہم فجر کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے
اور تابناک سرخ صبح کو لائیں گے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مار چنگ کا گیت

ہم تاریک رات اور پہاڑوں جیسی رکاوٹوں کو دور کر دیں گے
ہم عہد نو کا گیت گائیں گے
اور ہزاروں جل جانے والوں کی شمشان کو زندہ کر دیں گے
ہم بازوؤں میں نئی زندگی اور نئی طاقت لائیں گے
نوجوانو بڑھے چلو
موت کی دہلیز پر زندگی کی پکار کو احتیاط سے سنو
بندھنوں کو توڑ دو
بڑھے چلو، بڑھے چلو
کورس
چل! چل! چل
اوپر بادل کی گرج حکم دے رہی ہے
جمع ہو جاؤ اور چاروں طرف بڑھو
اور نیند کی کوٹھڑی کے دروازے کھول دو
ایک زمانہ ہوا کہ تم نے شاہی کو کھو دیا
تب بھی مسافر ماضی کا خواہش مند ہے
گاتا ہے اور روتا ہے
گزرے ہوئی ناقابل یقین سلطنت کے تخت کی بات چھوڑ دو
حواس باختہ لوگو جاگو
دیکھو کس طرح ایران، روم، یونان، روس اور بہت سے ملک قعرِ مذلّت میں گرے
لیکن وہ پھر جاگ اٹھے ہیں
اے کمزور لوگو۔ جاگو اور کھڑے ہو جاؤ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہم مٹّی سے نیا تاج محل تعمیر کریں گے
بڑھے چلو، بڑھے چلو، بڑھے چلو
کورس
چل! چل! چل

میرا جواب

میرے بھائی میں عہدِ حاضر کا شاعر ہوں
میں کوئی مستقبل کا پیغمبر نہیں
تم مجھے شاعر مانو یا نہ مانو
میں اپنی زبان بند کرتا ہوں اور سب کچھ برداشت کرتا ہوں
کچھ لوگ کہتے ہیں، یاد رکھو مستقبل میں تمھارا شمار صنّدی عورتوں کی جماعت میں ہوگا
وہ ابدی پیغام کہاں ہے جو رابندر ناتھ کا قلم دیتا ہے
سو وہ مجھے الزام دیتے ہیں
اس پر بھی میں صبح کی راگنی بھیرویں گانے پر قانع ہوں
میرے شاعر دوست میری تحریریں پڑھتے ہیں اور مجھے مایوس کرتے ہیں
وہ میرے لیے آہ بھرتے ہیں
وہ کہتے ہیں" وہ بڑا کار آمد آدمی ہے لیکن سیاست میں پڑ کر وہ آہستہ آہستہ
بے کار ہو رہا ہے۔ اس نے تعلیم چھوڑ دی ہے اور بالکل ناکارہ ہو گیا ہے
کچھ کہتے ہیں اُسے اس کی بیوی ہڑپ کر گئی
کچھ کہتے ہیں وہ جیل میں صرف تاش کھیلتا تھا۔ وہ موٹا ہو گیا ہے۔ اور بے کار

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہو گیا ہے۔

کچھ اور کہتے ہیں، اچھا تھا تم جیل میں تھے۔ تمھیں جیل میں ہی جانا چاہیے

گورو ڈیو[1] کہتے ہیں تم اپنی تلوار سے لوگوں کی داڑھیوں کو کاٹ رہے ہو

میرا ایک چاچا[2] ہونے والا ہے جو ہر سنیچر کے دن خط میں مجھے پھٹکارتا ہے: "تم نہایت ہی کرخت آواز والے پنچھی ہو"

جونہی میں نے کہا "میرے دوست میں تمھارا راز بازار میں فاش کردوں گا"، تو وہ خط بند ہو گیا۔

میں نے اس کو بالائے طاق رکھ کر شادی کرلی لیکن ہندوؤں نے کہا چاچا[3] ہمارا تم سے کوئی واسطہ نہیں

مجھے حیرت ہے کہ میں یوَن (مسلم) ہوں یا کافر (ہندو) اور دیکھتا ہوں کہ میری سؤر کی دُم ہے یا داڑھی

میں اپنی پیٹھ اور تہہ کردہ کپڑے کو ہلاتا ہوں۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ یہ واقعی ایسا ہے۔

مولوی اور ملّا، جو زندگی کے مزے اڑاتے ہیں، ہاتھوں سے اشارے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کمبخت دیوی دیوتاؤں کا نام لیتا ہے

تم متحد ہو جاؤ اور اس کو باہر نکال دو۔ ہمارا فتویٰ یہ ہے کہ یہ قاضی کافر ہے خواہ خود کو شہید کرنے کے لیے تیار ہو۔

ہم نے قرآن (پارۂ عم) پڑھا ہے۔ ہم لاف زنی کرتے ہیں اور دعوتیں اڑاتے ہیں اور

---

[1] رابندرناتھ ٹیگور نے مزاحاً نذرالاسلام کو ڈانٹا تھا کہ ایک شاعر کا سیاست میں پڑ جانا بالکل متضاد بات ہے۔

[2] ایک بنگالی جریدہ 'شنی واری چٹھی'، نذرل کو گالیاں دیتا تھا۔

[3] ہندو بنگال میں مسلم کو طنزاً چاچا کہتے ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہندو کہتے ہیں کہ یہ شخص اپنی نظموں میں فارسی کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ یہ کٹّر مسلمان ہے۔
عدم تشدد کے حامی عدم تعاون کی تحریک سے وابستہ لوگ بھی مجھ سے خوش نہیں۔
وہ کہتے ہیں کہ میں تشدد کا ساز ہوں اور انقلابی دلوں کو ترغیب دیتا ہوں
لیکن انقلاب پسند کہتے ہیں کہ یہ عدم تشدد کا حامی ہے ورنہ یہ چرخے کے گیت کیوں گاتا۔
قدامت پسند کہتے ہیں کہ یہ دہریہ ہے اور جدیدئے یہ کہتے ہیں کہ میں کنفیوشس کا پیرو ہوں۔
سوراجسٹ یہ کہتے ہیں کہ مجھے ان سے اتفاق نہیں
سوراجسٹوں کے مخالف مجھے اپنے راستے کا کانٹا سمجھتے ہیں
مرد کہتے ہیں کہ میں عورتوں کا بہت گرویدہ ہوں
عورتیں کہتی ہیں کہ میں ان سے نفرت کرتا ہوں
وہ دوست جو سمندر پار ہو آئے ہیں کہتے ہیں کہ میں انگلینڈ نہیں گیا۔ اس لیے یہی میری حد ہے جو قابل شرم ہے۔
میرے مدّاح مجھے نئے دور کا سورج کہتے ہیں خواہ میں اس دور کا شاعر نہیں۔
چلو چھوڑ دیں لمحۂ موجود کی ایک ہذیان سہی
بھائیو میں اس طرح سوچتا ہوں اور اپنے دل کو حراتا ہوں
میں کانوں پر عینک کی کمانیاں جمائے سو جاتا ہوں اور اس طرح اچھا سوتا ہوں۔
کیا تم سوچتے ہو کہ میں جو کچھ لکھتا ہوں اس تشریح کر سکتا ہوں
میرے ہاتھ اونچے نہیں اٹھتے اس لیے کندھے جھکا کر لکھتا ہوں
دوستو تم نے مری تحریروں کی قیمت نہیں جانی
لیکن شاہی حکومت نے میرے وقار کو بچا لیا ہے
انھوں نے میری تحریروں کو انمول سمجھا اس لیے بغیر ایک پیسہ دئے انھیں ضبط کر لیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور کیا تم جانتے ہو کہ سرکار کے سپاہی ہر وقت کس کا پیچھا کرتے ہیں
اے دوست تم نے میرے من مندر کو دیکھا ہے
میری ہڈیاں کام کرتے کرتے سیاہ ہو گئی ہیں
اس پر بھی اپنے کمبخت دل کو کسی قید میں نہیں رکھ سکتا
جتنی بار میں نے اسے کسی زنجیر میں باندھا اس نے زنجیروں کو توڑ دیا
میں نے اس پر ضرب لگا کر اسے کمزور کر دیا ہے
یہ ٹیگور یا گاندھی کی متابعت بھی نہیں کرتا
یہ دفعتہً جاگ اٹھتا ہے اور رات کی تاریکی میں جنگل کے شیر کی جستجو کرتا ہے
میں اپنے دل کی بات کہتا ہوں۔ اے شوریدہ سر سُن
تم مزے کی زندگی گزار رہے ہو
تم نیم لیڈر بن گئے ہو
لیکن تم یہ موقع ہاتھ سے کھو دوگے
آہ تم کبھی پورے لیڈر نہیں بن سکو گے
اس لمحے سے فائدہ اٹھاؤ۔ اپنی جیب میں پسی ہوئی مرچیں رکھو تاکہ جلسوں میں جب
تم تقریر کرو تو آنسو بہاؤ
اور اس سودے میں اپنے گھر کی ٹپکتی ہوئی چھت کی مرمّت کر لو ورنہ بالآخر تم پچھتاؤ گے
لیکن وہ نہیں سمجھے گا۔ وہ ایک آوارہ بھاٹ کے بھیس میں جگہ جگہ گاتا پھرتا ہے
لوگ گانا سنتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ اب فکر ہی کیا ہے
پان کھاتے کھاتے دن گزر جائیں گے
اب ملیریا کی دبا نہیں رہے گی
سوراج ایک شاندار فٹن میں سوار آ رہا ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چندے مانگے جاتے ہیں اور لوگ روپیہ دیتے ہیں جن سے وہ اپنی بھوک مٹانے کے لیے
خوراک خریدتے، ان کے بچّے آہ وزاری کر رہے ہیں۔
ان کی مائیں ان سے کہتی ہیں کمبختو چپ رہو، دیکھو کیا ہوتا ہے سوراج آرہا ہے
لیکن بھوکا بچّا سوراج نہیں چاہتا وہ تھوڑے سے چاول اور نمک چاہتا ہے
دن ختم ہوتا ہے لیکن بچے کو کھانے کو کچھ نہیں ملا۔ اس کا معدہ درد سے جل رہا ہے
اس لیے میں دیوانہ وار چیخ اٹھتا ہوں
سوراج کے لیے میری بے تابی ختم ہوجاتی ہے۔ میں چلاّتا ہوں۔ اے خدا کیا تو ابھی

یہاں ہے؟
جو اس بچّے کا لہو پیتے ہیں ان کے چہروں پر کول تار یا چونا کیوں نہیں ملا جاتا
میں جانتا ہوں کہ ہم سوراج لانے کی باتیں کرتے تھے
لیکن سوائے ایک بھنے ہوئے بینگن[1] کے کچھ نہ لا سکے
کروڑوں بچوں کو بھوکا رکھ کر ایک کروڑ روپیہ جمع کیا گیا ہے
اور ان کے لقمے تک چھین لیے ہیں

ابھی سوراج نہیں آیا
بھوکی قوم اور روپیہ نہیں دے سکتی
ہم شیر سے کہتے ہیں کہ گھاس کھانے پر قانع رہو لیکن وہ ماں کی گود سے بچّے کو جھپٹ کر
چھین لیتا اور اسے کھا جاتا ہے۔
ہم نے دیکھا ہے کہ ایک ماں مردہ بچے کو ڈھانپ کر بھیک مانگنے کے لیے نکلی
میرے دوست میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا
میرے دل میں بہت دکھ اور تکلیف ہے

---

[1] ایک بنگالی محاورہ جس کے معنی ہیں، ہیچ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جو کچھ میں نے دیکھا یا سُنا ہے مجھے اس نے پاگل کر دیا ہے
اس لیے جو میرے منہ سے نکلتا ہے وہ صاف کہہ دیتا ہوں
اس لیے میں یہ خون آلودہ نظمیں لکھتا ہوں
میرے بھائی مجھے سخت افسوس ہے
میرے دماغ سے بڑی باتیں اور بڑے خیالات نہیں نکلتے
دوستو تم میں جو لوگ خوش ہو، لافانی شاعری کرو
مجھے نہیں پرواہ کہ جب دنیا کا خبط ختم ہوگا تو میں زندہ بھی ہوں گا کہ نہیں
روی[1] میرے سر پر چمک رہا ہے، یہاں سینکڑوں لڑکے سونے میں تولنے کے قابل
ہیں۔ یہی تمھاری پرارتھنا ہونی چاہیے۔
خدا کرے کہ خون سے لکھی ہوئی میری تحریریں ان لوگوں کی مکانات بن جائیں جو تینتیس
کروڑ بندگانِ خدا کو لوٹتے اور ان کا کھانا کھا جاتے ہیں۔

میرے ملک کا اندھا خُدا

پھانسی دینے والے کے رسّے کو تھامے ہوئے میرے ملک کا اندھا خدا آتا ہے
موت کے یاتریوں کے خون آلودہ نقشِ پا کا وہ ہر لمحہ پیچھا کرنا اور اس کے ماتھے پر
صدیوں کی اذیّت کے نشان اور شرم کا گہرا نیلا ٹیکا ہے
آسمان گھنگھور گھٹاؤں کی وجہ سے اندھا ہے
تاریک رات بھی اندھی ہے
دھند میں چھپے ہوئے افق کی رُوح کے ہاتھ کا چراغ بھی بجھا ہوا ہے

[1] بہ معنی سورج یہاں مراد ہے۔ رابندر ناتھ ٹیگور سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ان کے درمیان اندھا خُدا رُک رُک کر قدم رکھ رہا ہے
اس سڑک پر جہاں ہڈّیوں کے اَٹے ہوئے ڈھانچے اس کے پیروں میں اٹک رہے ہیں۔
دشمن اُسے عذاب کی چھڑی سے پیٹ رہا ہے۔ خدا اُسے اپنا عصا بنا لیتا ہے اور چلتا جاتا ہے۔
اَن دیکھی ہوئی سڑک پر؛ اندھا خدا
قدم بہ قدم، جو کبھی رُکتے نہیں
سڑک پر جتنے زیادہ خطرے ہیں۔ اتنی ہی اس میں آگے بڑھنے کے لیے نئی توانائی آتی ہے۔
جب وہ رکتا اور گرتا ہے، ایک نوجوان موت کا یاتری اُسے اٹھا کر چھاتی سے لگا لیتا ہے۔
اندھے قید خانے کے بند کمرے میں قیدی جاگ رہا ہے
جہاں پھانسی کا تختہ روز خون سے تر ہوتا ہے
جہاں تعدّی کے ظالم پنجے میں انسانی روح کچل دی جاتی ہے
جہاں غار کی تاریکی میں سانپ کے پھن پر من چمکتا ہے
جہاں بے خواب جنگلی نوجوان جاگتا ہے اور پنجوں اور تیز دانتوں والے جنگلی جانوروں کے ساتھ بھوک کی اذیّتوں کو پالتا ہے۔
جہاں جلّاد کے ہاتھوں عورتوں کو جان کی قربانی دینی پڑتی ہے
اس سڑک پر اندھا خدا چلتا ہے اور زور سے رو کر کہتا ہے
تمھیں جلد اٹھنا لازم ہے
صبح تمھارے خون سے سرخ ہو کر آئی ہے، رات ختم ہو رہی ہے
رات تاریک نہے، مسافر نامعلوم کی آواز پر چل پڑتا ہے
نہ اسے راستے کا علم ہے اور نہ عالم بالا کا جہاں سے خدا اُسے پکارتا ہے
اُسے صرف یہی معلوم ہے کہ اس نے آواز سُنی ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور اُس کے سُست قدم اس کے جواب میں تیز ہو گئے ہیں
اور اُسے سامنے ایک سڑک نظر آتی ہے
اُس نے صرف یہی دیکھا ہے کہ سڑک اوپر کی طرف جا رہی ہے اور خدا اُس کے اوپر ہے
پھسلتی ہوئی ریت، پہاڑ، پہاڑ، خشک صحرا جو سڑک پر ہیں ان کی اُسے پروا نہیں۔
مسافر اُس کے ساتھ سڑک پر چلتا ہے۔
امارس کی رات اُس کی ساتھی ہے
وہ زمین پر گر پڑتا ہے اور اپنے خدا کو موت کا بہانہ کر کے تھام لیتا ہے
پھر وہ ساتھ ساتھ چلتے ہیں
موت، شباب، اندھا خدا اور طلوعِ صبح کی مُسکراہٹ۔

لم ڈھینگ

تاریکی اس پار اور اُس پار چھائی ہوئی ہے
سرِ حقیقت کا ایک ناپیدا کنار سمندر بیچ میں ہے
سمندر کے کنارے شہابی ہنس جاگتا ہے اور ہنسنی کے لیے رو رہا ہے اس دریا کے کنارے کسی بھولے ہوئے پرانے جنم میں وہ اسے ایک مستقل زندگی کے ساتھی کی حیثیت سے ملی تھی۔
پھر ختم نہ ہونے والی جُدائی کی رات آ گئی
اُس کے درد انگیز دل میں ابھی اس کی یاد باقی ہے
دن گزر گیا ہے مگر رات لامتناہی نظر آتی ہے
دریا کے پار کا کنارا نظر سے اوجھل ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس کنارے اور دوسرے کنارے کے درمیان صدیوں سے ایک ناقابل عبور فاصلہ ہے۔
رادھا ایک کنارے پر ہے وہ ناپید اکنار سمندر کو دیکھتی ہے اور روتی ہے
بنسی کی ایک دھن بجتی ہے۔ دراصل یہ ہجر کی لمبی کمی کو پورا کرتی ہے
ہم وہ بنسی کی دُھن دوسروں تک پہنچاتے ہیں
ہم روتے ہیں اور درد کی ماری ہوئی کائنات روتی ہے
تیرہ دریاؤں اور سات سمندروں کے پار، کسی نامعلوم علاقے میں۔ کسی ستاروں اور
سیاروں کی دنیا میں۔ تخلیق کے پہلے دن کا محبوب زنجیروں میں بندھا چلا رہا ہے
دسوں دشاؤں میں میری محبوبہ کے لیے کبھی رات کی تخلیق نہ کرو
دریا کے اِس پار وہ اپنے ساتھی کی بے سود تلاش کر رہا ہے
بے خودی کے کنارے پر
وہ ہمیشہ راہ بھول جاتا ہے
اکثر اوقات وہ سوچتا ہے کہ اس کی محبوبہ اس کے دل میں ہے
اکثر اوقات وہ اسے کھو دیتا ہے
وہ اپنی اس محبوبہ کو جس کو اس نے کبھی نہیں پایا یا کبھی نہیں بھولتا
وہ اس کے لیے لافانی آنسوؤں کی کہانی سینکڑوں دُھنوں سینکڑوں گیتوں، نظم، چاربیت
مصوّری اور جامد پتھر میں اپنی تحریریں صرف کرتا ہے۔
ان کا عکس ان تمام تصویروں میں ملتا ہے جن کی ہم تخلیق کرتے ہیں
ہم شاعر اور فن کار وہ گیت عوام کے لیے گاتے ہیں
رات کی تاریکی میں، ہجر میں درد سے کراہتا ہوا لم ڈھینگ اِدھر اُدھر گھومتا ہے اور اُس
ساتھی کو ڈھونڈتا ہے جو صبح کو سورج نکلتے ہی کہیں سے دعوتِ وصال دیتا ہے۔
ہم زمین کی شبنم ہیں۔ ہمارے آنسوؤں میں اس کی امید کی قوس قزح جھلکتی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مانجھی! ہوشیار

کورس

یاتریو! ہوشیار! تمھیں آدھی رات گئے، ناقابلِ تسخیر پہاڑوں، گھنے اور لامحدود جنگلوں، ناقابلِ عبور سمندروں کو پار کرنا ہے
ناؤ جھکولے کھا رہی ہے اور ڈوب رہی ہے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے
مانجھی اپنا راستہ بھول گیا ہے، بادبان پھٹ گئے ہیں۔ اب پتوار کون سنبھالے کس میں اب جرأت ہے۔
طاقت ور نوجوانو آگے بڑھو، تقدیر تمھیں پکار رہی ہے
طوفان زوروں پر ہے، لیکن کشتی کو پار جانا ہی ہے
رات اندھیری ہے۔ اے پہرہ دارو تم نے ماں کی مقدس قسم کھائی ہے، خبردار رہو۔
صدیوں کا مقید درد اب باہر نکل کر مارچ کر رہا ہے
محروم لوگوں کے دل میں غصہ پیدا ہو کر بڑھ رہا ہے
ان کو زندہ رہنے کا حق ملنا چاہیے
بے بس قوم تیرنا نہیں جانتی اس لیے ڈوب رہی ہے
اے کپتان! یہ تمھاری ماں کو آزادی دلانے کی قسم کے امتحان کا وقت ہے
وہ کون ہے جو پوچھتا ہے۔ یہ ہندو ہیں یا مسلمان
اے کپتان! کہو کہ یہ ڈوب رہے انسان۔ میری ماں کی اولاد ہیں
یہ پہاڑ کی گپھا ہے (دروازہ) بادل کی زوردار گرج سے یاتری ڈر رہے ہیں
اور جو اُن کے پیچھے ہیں شک میں پڑ رہے ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اے کپتان! کیا تم صحیح راستہ (سمت) بھول جاؤ گے اور ان کو منجدھار میں چھوڑ دو گے
یہ آپس میں لڑتے ہیں لیکن تم ضرور ان کو اپنے ساتھ لے چلو، کیونکہ تم پر بڑی ذمہ داری
ہے۔
اے کپتان! تمھارے سامنے پلاسی کا میدانِ جنگ پڑا ہے جہاں کلائو کی تلوار بنگالی خون
سے لال ہوئی تھی۔
گنگا کے پار بھی سورج غروب ہو گیا
وہ سورج ہمارے خون سے لال ہو کر پھر طلوع ہوگا
وہ جو پھانسی کے تختے پر زندگی کی فتح مندی کا گیت گاتے تھے، نظر نہیں آتے اور
ایک طرف کھڑے ہیں۔ تم ان کے لیے کون سی قربانی کرو گے، آج امتحان کا دن ہے۔
تم کسے آزاد کرو گے، قوم کو یا فرقے کو
ناؤ ڈول رہی ہے، سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے
مانجھی! ہوشیار باش۔

مساوات

میں مساوات کا گیت گاتا ہوں
جہاں آدمی آدمی میں کوئی بھید بھاؤ نہیں
جہاں ہندو، مسلمان، بودھ، عیسائی سب آپس میں گھل مل گئے ہیں
میں مساوات کا گیت گاتا ہوں
تم کون ہو؟ ایک پارسی، ایک جینی یا ایک یہودی یا ایک سنتھال، بھیل یا گارو
تم کنفیوشس یا دہریے چارواک کے پیرو ہو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چلو کچھ اور کہو
دوستو خواہ تم کوئی بھی ہو
خواہ تم کوئی کتاب یا پرانے مسودات اپنے دل میں رکھتے ہو یا پیٹھ اور کندھوں پر لیے پھرتے ہو۔ خواہ وہ قرآن ہو، پران یا وید ہو، ویدانت یا بائبل، ترپٹکا، ژندوادستا ہو یا گرنتھ صاحب ہو، خواہ ان میں تم خود کو خوش کرنے کے لیے کچھ ہی پڑھو
لیکن یہ بیکار محنت کس لیے
تمھارے دماغ میں اس قدر غصہ ؟
یہ کسی دکان پر مفت کی بحث ؟
راستے میں نئے پھول کھل رہے ہیں
تمھارے اندر سب کتابیں موجود ہیں، ہر زمانے کی دانائی موجود ہے۔ صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنی روح کو کشادہ کرو، تمام مذہبی کتابیں ہر زمانے کے پیغمبر وہاں موجود ہیں۔
تمھارا دل تمام مذاہب کے دیوتاؤں کا ہمہ گیر مندر ہے
تم مذہب زدہ کیوں بنتے ہو
کتابوں کی مردہ ہڈیوں میں خدا کی تلاش کرو
وہ تمھارے لافانی دل کی خلوتِ خاموش میں مسکراتا ہے
میرے دوست میں جھوٹ نہیں بولتا
یہی وہ جگہ ہے جہاں تمام شاہی تاج سجدہ کرتے ہیں
دل ہی جگن ناتھ کی مقدّس جگہ ہے
یہی بنارس، متھرا، برندابن، بودھ گیا، یروشلم، مدینہ اور کعبے کا مقدّس مقام ہے۔
دل ہی مسجد، مندر اور گرجا ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہیں یسوع مسیح اور موسیٰ نے حق کو پایا
دل میدانِ جنگ ہے
جہاں کرشن نے عظیم گیتا کا گیت گایا
یہ وہی میدان ہے جہاں موبد چرواہے نے خدا سے دوستی کی
یہ دل مراقبے کی گپھا ہے جہاں بدھ نے بنی نوعِ انسان کے دُکھ کی پکار سُنی۔ اور اپنا تخت چھوڑ ڈالا۔
اسی جگہ عرب کے عزیز فرزند نے عظیم پیغام سُنا
اسی جگہ اس نے الہامی نغمہ گایا۔ اسی کا نام قرآن ہے
اے دوست میں نے غلط نہیں سُنا
کوئی مندر یا خانہ کعبہ آدمی کے دل سے افضل نہیں
میں مساوات کا گیت گاتا ہوں
آدمی سے بڑا یا زیادہ نیک کوئی نہیں
یہاں وقت، مقام یا حالات میں کوئی فرق نہیں
نسلِ انسانی مذہب سے تقسیم نہیں ہوسکتی کیونکہ ہر وقت، ہر موسم اور ہر گھر میں خدا ہر شخص کا گوشت پوست ہے
مکّار لوگ مذہبی کتابوں کی پوجا کرتے ہیں۔ اے بے وقوفو سُنو!
کتابیں تو آدمیوں نے لکھی ہیں، کتابوں نے آدمی پیدا نہیں کیے
آدم، داؤد، یسوع، موسیٰ، ابراہیم، محمد، کرشن، بدھ، نانک اور کبیر دنیا کا بیش بہا ورثہ ہیں۔
یہ لوگ ہمارے عظیم اجداد ہیں اور ان کا خون ہمارے جسم کی رگ رگ میں جاری ہے۔
ہم انھیں کی اولاد ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ان سے ہماری شکلیں ملتی جلتی ہیں
کیا کہہ سکتے ہیں کہ کسی دن ہم انھیں کے مقام تک پہنچ جائیں
میرے دوست یہ ہنسی کا مقام نہیں
میری ذات اتنی لامحدود اور اتھاہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ کتنی بلند سے بلند ذات مجھ میں آ رہتی ہے۔

تین گیت

۱

اے خوب صورت دوشیزہ اکیلی اور خالی الذہن بیٹھنے سے کیا حاصل
مٹکے میں پانی لانے کے لیے باہر نکلو
پانی کے قریب آؤ، جنگل دلسوز آواز میں چلّا رہے ہیں
دریا اپنی لہروں کی سرسراہٹ میں کچھ کہہ رہا ہے
راج ہنس کے تیرتے ہوئے پیروں میں دن بیتا جا رہا ہے
چکوی چکوے کی چھاتی سے لپٹی ہوئی ہے
چکوا آنسوؤں سے چکوی کو الوداع کہہ رہا ہے
بنسی برواکی دُھن بجا رہی ہے
شام اس کے چہرے کو چاند کے آئینے میں دیکھ رہی ہے
جب کہ وہ اپنے بالوں کی مانگ سے کہکشاں بنا رہی ہے
جنگلوں میں سایے ناچنے والی لڑکی کی طرح اتراتے ہوئے پھیل رہے ہیں جب کہ بیلوں کی ڈالیوں کے گچھے ہل رہے ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

او دلہن! دن گزر رہا ہے، نند زور سے کہہ رہی ہے
اگر تم نے پانی بھر لیا ہے تو آجاؤ
ورنہ بہتا ہوا دریا گہرے رنگ کا نظر آرہا ہے
شہر اپنے آپ کو بیوا کی طرح آراستہ کر رہا ہے
مانجھی نہانے کے گھاٹ پر ناؤ کو باندھ رہا ہے
آوارہ آدمی سنسان میدانوں میں گھوم رہا ہے
کس کے خیال میں تمھارا سارا دن آنسوؤں میں گزرتا ہے
اپنے گھڑے کو اپنے ہی آنسوؤں سے بھر لو
او سنگ دل وہ کون ہے جو تمھارے سرخ قدموں سے ہار کی طرح لپٹی ہوئی ہے
شاعر تمھارے ہمراہ استعجاب میں ہے
کیا ہم اسے وہیں چھوڑ دیں یا اپنی گردن پر اٹھالیں ۔

۲

اے سکھی جب تم میرے محبوب کو پھولوں کے باغ میں ملو تو اسے اکیلے میں بتانا کہ مالی کو
پتہ چل گیا ہے کہ کون آدھی رات کو پھول توڑتا اور انھیں خراب کرتا ہے ۔
مالی نے خفیہ طور پر پتہ لگا لیا ہے ۔ اُسے سمجھا دینا کہ یہ راستہ بڑا خاردار ہے
کہیں یہ کانٹے اس کے دامن میں چبھ کر اسے پکڑ نہ لیں
وہ ان جنگلی پھولوں کی خاطر کانٹوں پر چل کر نہ آئے
میں خود اس کے خلوت خانے میں آجاؤں گی اور اس کے قدموں پر خود کو مفت
بیچ ڈالوں گی
میری سکھی میرے محبوب کو یہ بات ضرور چپکے سے بتا دینا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

۳

میں کس سے کہوں میرا دل کس درد سے روتا ہے
یہ ڈرپوک دل ہمیشہ کانپتا رہتا ہے
وہ تو آسمان کے اوپر ہے اور میں اشکوں کے سمندر میں یہاں ہوں
وہ ستائیس انجمی محبوباؤں سے بندھا ہوا گھومتا رہتا ہے
میں اس چاند کو کس طرح پکڑوں کیونکہ میں راہو نہیں
میں اسے کاجل کی طرح آنکھوں سے لگاتی ہوں
خوابوں کے پوشیدہ آنسوؤں سے دُھل کر وہ باہر نکل جاتا ہے
میں اسے ہار کی طرح چھاتی سے لگاتی ہوں اور وہ چُرا لیا جاتا ہے
میں اسے اپنے کنگن سے باندھتی ہوں۔ صبا اسے اُڑا لے جاتی ہے
میں اس البیلے کے دل پر کس طرح جادو کر سکتی ہوں ۔

....•....

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قاضی نذرالاسلام کی منتخب تصانیف اوران کتابوں کی فہرست جوان پر لکھی گئیں

قاضی نذرالاسلام کے منظومات

اگنی وینا	۱۹۲۲	ڈولن چاپنیا	۱۹۲۳
بشیر بانسی	۱۹۲۴	بھنگار گان	۱۹۲۴
چھایانٹ	۱۹۲۴	پُبیر ہوا	۱۹۲۵
ساماوادی	۱۹۲۵	چتنام	۱۹۲۵
سردہرا	۱۹۲۶	پھنی مناشا	۱۹۲۷
سندھوہلّول	۱۹۲۷	زنجیر	۱۹۲۸
سنچیتا (مجموعہ)	۱۹۲۸	چکرواک	۱۹۲۹
سندھیا	۱۹۲۹	پرلے سکھا	۱۹۳۰
نوتن چاند	۱۹۴۵	سنچیئن	۱۹۵۵
مرو بھاسکر	۱۹۵۷	شیش ساؤگات	۱۹۵۸

منظوم ترجمے

رباعیات حافظ ۱۹۳۰ کاویہ عم پارہ ۱۹۳۳ رباعیات عمرخیام ۱۹۶۰

نوجوانوں کے لیے نظمیں

جھنگے پھول ۱۹۲۶ سات بھائی چمپا ۱۹۲۷

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ناول

باندھن ہرا ۱۹۲۷ مرتیر کشدھا ۱۹۳۰ کُہیلکا ۱۹۳۱

افسانے

بیانتھاردان ۱۹۲۲ رکتیر بیدنا ۱۹۲۵ سیولی مالا ۱۹۳۱

ڈراما

جھلِ مِلی ۱۹۳۰ آلیا ۱۹۳۱ مدھو مالا ۱۹۵۹

انشائیے

یُگ وانی ۱۹۲۲ راج بندر زبان بندی ۱۹۲۳
دُردنیر یاتری ۱۹۲۶ رُدرا منگل ۱۹۴۱
نذرل رچنا سمبھار (آرٹیکلوں اور نظموں کا مجموعہ جو ۱۹۶۸ سے شائع نہیں ہوئی تھیں)

گیتوں کی کتابیں

بلبل	۱۹۲۸	بن گیتی	۱۹۳۲
چوکھیر چاتک	۱۹۲۹	گل باغیچہ	۱۹۳۳
نذرل گیتی کا	۱۹۳۰	گیتی ست دل	۱۹۳۴
سُر ساکی	۱۹۳۱	سُر مُکار	۱۹۳۴
ذوالفقار	۱۹۳۲	گانیر مالا	۱۹۳۴

بلبل (دوسرا حصہ) ۱۹۵۲

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قاضی نذرالاسلام پر کتابیں

بنگالی زبان میں

نذرل کے جیبن دیکھے چی	از	بیگم شمس النہر	کلکتہ
یگ سرشٹھا نذرل	از	خان محمد معین الدین	ڈھاکہ
نذرل چرت مانس	از	شوشیل کمار گپتا	کلکتہ
نذرل سمرتی کتھا	از	مظفر احمد	کلکتہ
بنگلا ساہتیے نذرل	از	اظہر الدین خاں	کلکتہ
کوی نذرل	از	سنسکرت پریشد	کلکتہ

انگریزی میں

Creative BenGal	از	قاضی عبدالودود	کلکتہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہندوستان کی حکومت نے مرکزی وزارتِ تعلیم میں نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا کو، ۱۹۵۷ء میں ایک خودمختار ادارے کی حیثیت سے اس خیال کو مدِنظر رکھتے ہوئے قایم کیا تھا کہ یہ اوّلین طور پر اچھے ادب کی تخلیق کرے گا اور اچھے ادب کی اشاعت کی حوصلہ افزائی کرے گا اور اس قسم کا ادب لوگوں کے لیے مناسب قیمتوں پر فراہم کرے گا۔

ہندوستان کی مختلف زبانوں میں منتخب موضوعات پر کتابوں کی اشاعت کا کام اپنے ذمے لینے کے علاوہ نیشنل بک ٹرسٹ کی سرگرمیوں میں یہ کام بھی شامل ہیں، کتابوں کی نمائش منظم کرنا اور ہندوستان میں کتابوں کی تصنیف، کتابوں کے ترجمہ، ان کی اشاعت اور تقسیم سے متعلق مسائل پر مذاکروں کا اہتمام کرنا تاکہ ایسی فضا پیدا کی جائے جس میں زیادہ سے زیادہ لوگ کتابیں پڑھنے کی جانب راغب ہوں۔

نیشنل بک ٹرسٹ نے اس وقت تک ۲۵۰ سے زیادہ کتابیں مختلف ہندوستانی زبانوں میں شائع کی ہیں۔ ٹرسٹ کے موجودہ اشاعتی پروگرام میں کتابوں کے حسب ذیل سلسلے شامل ہیں:

۱۔ بھارت۔ سرزمین اور لوگ: اس سلسلۂ مطبوعات کا مقصد یہ ہے کہ معمولی تعلیمی استعداد رکھنے والے لوگوں کے لیے جو فن و تکنیک سے شناسا نہیں ہوتے ہیں ملک کے تمام پہلوؤں کی واقفیت سے متعلق کتابیں مہیا کی جائیں۔

۲۔ قومی سوانحمری: اس سلسلۂ مطبوعات کا مقصد یہ ہے کہ تقریباً ایک سو کتابوں کے مجموعہ میں ان نامور شخصیتوں کی سوانح عمریاں پیش کی جائیں جن کو مادرِ ہند نے وقتاً فوقتاً مختلف میدانوں میں جنم دیا۔

۳۔ عام فہم سائنس: اس سلسلۂ مطبوعات کا مقصد یہ ہے کہ عام لوگوں کے لیے سائنس کے فروغ اور ارتقا کا اور روزمرّہ کی زندگی میں سائنس کی اہمیت کا ایک خاکہ فراہم کیا جائے۔

۴۔ عام فہم تاریخ: اس سلسلۂ مطبوعات کو اس انداز سے مرتب کیا گیا ہے کہ قابلِ مطالعہ کتابوں کی صورت میں نہ صرف عام لوگوں کے لیے ہندوستان کی تاریخ بلکہ دنیا کے دیگر ملکوں کی تاریخ بھی مہیا کی جائے۔

۵۔ دنیا کی ممتاز ترین کتابیں: اس سلسلۂ مطبوعات کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کی مختلف زبانوں میں عام لوگوں کے لیے ان کتابوں کے آسان تراجم فراہم کیے جائیں جنھوں نے مختلف میدانوں میں عالمی فکر و خیال میں نمایاں حصّہ ادا کیا ہے۔ نیشنل بک ٹرسٹ یہ کام بھی اپنے ذمّہ لیتا ہے کہ وہ ان ممتاز ترین تخلیقات سے متعلق خاص کتابیں شایع کرتا ہے جو مطبوعہ صورت میں دستیاب نہیں ہیں اور ٹرسٹ خصوصی اہمیت کے حامل نئے مسودات بھی شائع کرتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا
کی
اردو میں شائع کردہ کتابیں

بھارت سرزمین اور لوگ

۱ آبادی
ایس - این اگروال ——— (مترجم مخمور جالندھری)
قیمت پانچ روپے پچیس پیسے — صفحات ۱۶۰

قومی سوانح حیات کا سلسلہ

۲ کبیر
ڈاکٹر پارس ناتھ تواری ——— (مترجم ایم - کے درّانی)
قیمت دو روپے پچاس پیسے — صفحات ۱۳۶

۳ پنڈت وشنو دگمبر
وی - آر - آٹھاولے ——— (مترجم ش - ا - قدوائی)
قیمت دو روپے پچیس پیسے — صفحات ۷۲

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

۴ گرونانک دیو
گوپال سنگھ ——— (مترجم مخمور جالندھری)
قیمت تین روپے پچیس پیسے — صفحات ۱۶۴

متفرق کتب

۵ عظیم باغی
ڈینس کنکیڈ ——— (مترجم پرما تماسرن)
قیمت چھ روپے پچیس پیسے — صفحات ۲۴۸

۶ گاندھی کا ہندوستان
کثرت میں وحدت قیمت دو روپے پچیس پیسے — صفحات ۹۶
انتخاب کنندہ : نیشنل کمیٹی گاندھی صدی کی سب کمیٹی برائے قومی یک جہتی

۷ اکبر
لارنیس بنین ——— (مترجم رضیہ سجاد ظہیر)
قیمت تین روپے پچاس پیسے — صفحات ۱۰۸

ڈسٹری بیوٹرس : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵
اُردو بازار دہلی ۶ پرنسس بلڈنگ بمبئی ۳ شمشاد مارکیٹ علیگڈھ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

۸ بھارت آج اور کل
جواہر لال نہرو ——— (مترجم عبد اللطیف اعظمی)
قیمت ۷۵ پیسے ——— صفحے: ۴۸

۹ کلکی یا تہذیب کا مستقبل
رادھا کرشنن ——— (مترجم سید احتشام حسین)
قیمت ۷۵ پیسے ——— صفحے، ۷۲

۱۰ سائنس کے چند پہلو
سی. وی. رامن ——— (مترجم سیّد حسین)
قیمت ایک روپیہ پچیس پیسے ——— صفحے، ۱۲۸

۱۱ جوالا مُکھی
اننت گوپال شیوڑے ——— (مترجم محمد حسن)
قیمت ۲ روپے پچاس پیسے ——— صفحے: ۲۵۸

۱۲ ہندوستانی ڈراما
صفدر آہ ——— قیمت تین روپے پچھتّر پیسے — صفحے: ۲۴۰

۱۳ ہندوستان میں تعلیم کی از سرِ نو تنظیم
ذاکر حسین ——— (مترجم عابد حسین)
قیمت ایک روپیہ پچیس پیسے — صفحے: ۸۸

۱۴ دو شہروں کی کہانی
چارلس ڈکنس ——— (مترجم فضل الرحمٰن)
قیمت پانچ روپے ——— صفحے: ۶۴۸

ڈسٹری بیوٹرس

پبلیکیشن ڈویژن پٹیالہ ہاؤس نئی دہلی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حکومتِ ہند نے وزارتِ تعلیم میں نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا کو ایک خود مختار تنظیم کی حیثیت سے ۱۹۵۷ء میں اس اہم ترین مقصد کو مدِّنظر رکھتے ہوئے قایم کیا تھا کہ ملک میں ایک ایسی فضاء تخلیق کی جائے جس میں زیادہ سے زیادہ لوگ کتابیں پڑھنے کی طرف راغب ہوں۔

ٹرسٹ کی سرگرمیوں میں یہ باتیں شامل ہیں: کتابوں کے میلے اور نمایش منظّم کرنا، تصنیف و تالیف، ترجمہ، اشاعت اور کتابوں کی تقسیم سے متعلق مسائل پر مذاکروں اور کارگاہوں کا اہتمام کرنا۔

ٹرسٹ اپنے اس مقصد کو آگے بڑھاتے ہوئے اچھا ادب پیش کرتا ہے اور اچھے ادب کی تخلیق کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور یہ کوشش کرتا ہے کہ اس قسم کا ادب مناسب قیمتوں پر لوگوں کو فراہم کیا جائے۔